مسائل و معاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(حصہ دوم)

(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے دینی و مذہبی افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانوی رح

تلخیص و تسہیل

محمد موسی بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ

۴۰۰ بی لطیف آباد نمبر: ۴-حیدر آباد

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی
جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے دینی ومذہبی
افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت: مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص وتسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی۔ لطیف آباد حیدرآباد

مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(حصہ دوم)

(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی
جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے دینی ومذہبی
افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی لطیف آباد حیدر آباد

مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی

(حصہ دوم)

(الافاضاۃ الیومیہ کی تلخیص)

علمائے کرام، سالکین راہ محبت، سماجی اور دینی
جماعتوں سے وابستہ کارکنوں اور ہر سطح کے دینی ومذہبی
افراد کے لئے بہترین راہ عمل

حکیم الامت: مولانا اشرف علی تھانویؒ
تلخیص وتسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ بی۔ لطیف آباد حیدرآباد

کتاب کا نام: مسائل ومعاملات میں حکیمانہ رہنمائی
(الافاضات الیومیہ کی تلخیص)

مصنف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تلخیص تسہیل: محمد موسیٰ بھٹو

ہدیہ: ۱۵۰ روپے

اشاعت: اگست ۲۰۱۴ء

کمپوزنگ: اسلامک کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر
لطیف آباد۴ حیدرآباد

پریس: یادگار پرنٹنگ پریس حیدرآباد

انتساب

ڈاکٹر محمد طاہر صاحب کے نام

جو مطالعہ کی وسعت، جدیدیت کے چیلنج کے بہتر فہم، معاشرہ میں دین کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے احساس اور غیر معمولی طبی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ راہ محبت وراہ سلوک کے طالب صادق بھی ہیں اور اس عاجز کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتے ہیں، مستقبل قریب میں ان سے سلوک واحسان کے محاذ پر بھی کام کی زیادہ توقعات وابستہ ہیں۔

ابتدائیہ

معاشرہ کی حالت زار اور اس کی اصلاح کی صورت

مولانا تھانویؒ کی فکر کے حوالے سے گفتگو

زیر نظر کتاب حضرت مولانا تھانویؒ کی کتاب ''الافاضات الیومیہ'' کی تلخیص پر مشتمل دوسری اور آخری جلد ہے، پہلی جلد الحمدللہ کافی پسند کی گئی اور بعض دوستوں کی کوششوں سے اس کا دو تین ماہ کے اندر اندر دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوگیا۔

مولانا تھانویؒ کی کتابوں میں جدید دور کے انسان کے لئے معلومات کے ساتھ ساتھ تسکین قلب کا بھی بہت سامان موجود ہے۔ مولانا کو اللہ نے جو ایک بڑی امتیازی شان عطا فرمائی تھی، وہ یہ تھی کہ دین وملت کے بے شمار مسائل میں ان کی نگاہ معاملہ کے ہر پہلو کی طرف جاتی تھی، جس کی وجہ سے ان کی فکر اور تعلیمات میں تنگی، سختی اور یک طرفگی نہیں، وہ مسائل میں مجتہدانہ شان کے ساتھ رہنمائی فرماتے تھے، ان کے سامنے دین وملت کا جو بھی مسئلہ پیش ہوتا، وہ چاہے کتنا ہی الجھا ہوا اور مشکل سے مشکل تر کیوں نہ ہو، اس گتھی کو سلجھانے کے سلسلہ میں ان کی زبان وقلم سے علوم ومعرفت کے بے بہا نکتے ظاہر ہونے لگتے تھے۔

یہ دراصل رہنمائی کی ایک صورت تھی، جو اللہ نے ان کے ذریعہ ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ مولانا کے علوم کی اس اہمیت کے پیش نظر ہم نے عام فہم اسلوب میں ان کے ملفوظات کی تلخیص کی ہے۔ کہیں کہیں بریکیٹ میں ملفوظ کی مزید توضیح وتشریح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ہمیں اس کی ہمت اس وجہ سے بھی ہوئی کہ مولانا نے لکھا ہے کہ بزرگوں کی بیان کردہ حکایات، ملفوظات یا واقعات کو جوں کے جوں پیش نہیں کرنا چاہئے، اس سے بعض اوقات گمراہی پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس حکایت، واقعہ اور ملفوظ کا ایک پس منظر ہوگا، اس پس منظر کے بغیر اسے سمجھنا دشوار ہوگا، بلکہ اس سے الجھنیں پیدا ہوں گی۔

اس طرح کے ملفوظ کے ذریعہ حضرت مولانا تھانویؒ نے ہم جیسے ان کی تعلیمات کو عام کرنے کے فریفتہ افراد کے لئے آسانی پیدا کردی۔

حقیقت یہ ہے کہ فرد وافراد کے ساتھ روز مرہ زندگی میں بے شمار مسائل ایسے پیش آتے ہیں، جن میں وہ الجھ کر، دین ودنیا کی بہت ساری سعادتوں کے ساتھ ساتھ سکون وسکینت سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ مثلا دوسروں کے معاملات اور قصوں میں پڑنے کی فکر کا دامنگیر ہونا، دوسروں کو مشورے دینے کے مرض میں مبتلا ہونا، حالات ومسائل میں دوسروں پر اپنی رائے کو مسلط کرنے کے لئے کوشاں ہونا، کسی مسئلہ کے درپے پڑنا، دوست واحباب کی طرف سے تحسین وداد کی امید رکھنا، اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں کے لئے فضا ہموار کرنے اور ان کو بے توقیر کرنے کے لئے فکرمند ہونا، دوست واحباب اور ساتھیوں سے بے جا توقعات وابستہ کرنا، اپنی اصلاح کی فکر سے بے نیاز ہوکر، دوسروں کی اصلاح کے لئے مصنوعی طور پر بے چین ہونا اور اس اصلاح میں نفسی آویزشوں کا شامل ہونا، دین کے کاموں سے نفسی مقاصد وابستہ کرنا، بیٹھے بٹھائے دین کے لئے ہونے والے ایک کام کو بگاڑنے یا صحتمند وتعمیری کام کو نقصان پہنچانے کی خواہشوں کا طاقتور صورت اختیار کرنا، دوسروں کو رواداری اور محبت کی تعلیم دینا، جب کہ خود محبت ورواداری کے اجزاء سے بے بہرہ ہونا، مذہبی وسماجی خدمت کے دائرے میں حلقہ احباب اور شناسا افراد کی طرف سے آگے بڑھ کر خدمات سرانجام دینے والوں سے حسد اور جلن محسوس کرنا، حب جاہ وحب مال کی تدابیر سوچتے رہنا اور اس فکر میں گھلتے رہنا، علم، دینداری اور روحانیت کو شہرت اور جاہ کے مقصد کے لئے استعمال کرنا، اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر، دین کی حقیقی خدمت کرنے اور دینی کاموں کو تقویت دینے کی بجائے یا تو ان دینی کاموں کو نقصان پہنچانے کے لئے کوشاں ہونا یا محض قیل وقال میں مبتلا ہوکر، ساری زندگی قیل وقال میں گذارنے کے المیہ کا ہونا، اپنی نفسی خرابیوں اور بیماریوں کو سمجھ کر، ان کی اصلاح کی فکر کی بجائے دوسروں کی خرابیوں کو آشکار کرتے رہنا اور ان کے بارے میں غیرمعمولی طور حساس اور جذباتی ہوجانا، اپنی اور اپنی اولاد کی چند روزہ زندگی اور ان کے بہتر مادی مستقبل کے لئے بہت زیادہ بے تاب

ہونا، جب کہ آخرت کی دائمی زندگی میں نجات کے لئے اضطراب، بے چینی اور اس
کے لئے کاوشوں کا نہ ہونا، شب وروز کا مادی زندگی کی سرگرمیوں میں اس طرح
صرف ہونا کہ دوسری زندگی کی تیاری کے لئے ہوش حواس کا نہ ہونا، اپنے دور کے
فتنوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ان فتنوں میں مبتلا ہونے کی
روش کا ہونا، اہل اللہ اور خاصانِ حق کو کسی اہمیت کا مستحق نہ سمجھنا، بلکہ ان کی
بے توقیری کی روش کا ہونا۔ انسانیت، انسانی اوصاف اور سیرت وکردار کی پاکیزگی
اور اس کے حصول کے کام کو کام نہ سمجھنے کی روش کا ہونا، اپنی ذات سے دوسروں کو
نفع نہ پہنچانے کے مرض کا ہونا، ہر وقت نفسانیت اور نفسا نفسی کی حالت کا غالب
ہونا، قیمتی وقت کو چند سکوں کے جمع کرنے کی ہوس میں ضایع کرنے کی روش کا
ہونا، محتاجوں، مسکینوں اور ضرورتمندوں کی مدد کی صلاحیت ہونے کے باوجود انہیں ان
کی حالت زار پر رہنے دینے کی نفسیات کا ہونا، مظلومیت کے دور میں دین کے لئے
ہونے والے کاموں میں بے حسی کا مظاہرہ کرنا، ہر وقت دوسروں کو آزار پہنچانے
کے خیالات کا گھیرے رہنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر عزیز واقارب اور دوست واحباب
سے تعلقات منقطع کرنا یا ان سے نالاں ہوتے رہنا، طبیعت میں حالتِ اشتعال کا
غلبہ ہونا، عالمگیر مادی تہذیب کے زیر اثر مادی حسن پر فریفتہ ہونا، گھر اور خاندان
میں اپنی غلط روش سے اشتعال کے ماحول کو قائم اور برقرار رکھنا، چھوٹے سے
چھوٹے مسائل کو بھی سمجھ کر، حل کرنے کی صلاحیت سے قاصر ہونا، اپنی حالت
سدھارنے کی فکر کی بجائے ہر وقت افراد معاشرہ کی حالت کا رونا، روتے رہنا،
چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے غیر معمولی ذہنی دباؤ کا شکار ہوجانا، یہ اور اس طرح
کے بے شمار مسائل ہیں، جو عصر حاضر کے انسان کو مادہ پرست اور نفس پرست عالمی
تہذیب سے ورثے کے طور پر ملے ہیں۔ جدید تعلیمی اداروں، میڈیا، ٹیلیویژن اور
انٹرنیٹ تک ہر فرد کی رسائی کی وجہ سے ان مسائل کی شدت میں غیر معمولی طور پر
اضافہ ہوا ہے۔

دنیا کے عام انسانوں اور مسلمانوں کی حالت میں اعتقادات کے علاوہ عملی طور
پر اب کوئی فرق باقی نہ رہا ہے، مغرب کا مادہ پرست انسان بھی دنیا کی حسرت

میں جیتا ہے تو جدید مسلمان بھی اسی فکر میں دامنگیر رہتا ہے۔ مغربی انسان کا بھی
ہدف مادی حسن پر فدائیت ہے تو جدید مسلمان کے بھی سارے جذبات مادی حسن
سے ہی وابستہ ہوکر رہ گئے ہیں۔ دنیا پر فدائیت، خودغرضی، نفس پرستی، بے راہ روی
وغیرہ میں مغربی انسان اور جدید مسلمان میں کوئی حد فاصل باقی نہ رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب دنیا میں پیدا ہونے والے لگ بھگ ہر بچے کی تربیت،
ذہنی نشوونما اور شخصیت کی اٹھان اسی مادہ پرست عالمی تہذیب اور اس کے طاقتور
اداروں کی طرف سے پھونکی گئی روح کی بنیادوں اور اس کے پس منظر میں ہورہی ہے۔

اس ماحولیاتی اور معاشرتی پس منظر میں زیر نظر کتاب کا مطالعہ کیا جائے گا تو
محسوس ہوگا کہ گویا افراد معاشرہ کی دکھتی رگوں پر نبض رکھی گئی ہے اور مشفق استاد اور
مشق مربی کی حیثیت سے کہیں معاشرہ کے ہر طبقہ کے افراد کی خرابیوں پر تنبیہ کی گئی
ہے، تو کہیں ڈاکٹر کی حیثیت سے نشتر زنی کی گئی ہے، کہیں آداب زندگی اور سلیقہ
زندگی سکھانے کی کاوش کی گئی ہے تو کہیں حوصلہ اور ہمت کے ساتھ نفس اور مادیت
کی قوتوں سے معرکہ آرائی کی تلقین کی گئی ہے۔ کہیں انسانیت کے منافی رویوں پر
ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا گیا ہے تو کہیں محبت، دردمندی اور نرمی سے تہذیب سکھانے
کی کاوش کی گئی ہے۔

غرض کہ زیر نظر کتاب جس میں پہلا حصہ بھی شامل ہے، وہ ہمیں موجودہ
ہمہ گیر اخلاقی بحران سے نکال کر سلیقہ زندگی سکھانے، پاکیزہ تہذیب کی راہ پر لگانے،
معرفت نفس سے آشنا کرنے اور صراط مستقیم (کی شاہراہ) کھولنے میں انشاء اللہ
معاون ومفید ثابت ہوگی۔

مولانا تھانویؒ جو مجدد امت اور حکیم الامت ہیں اور غیر معمولی مجتہدانہ صلاحیتوں
کے حامل ہیں، ان کی فکر اور تعلیمات کا مرکزی نکتہ فرد کی اصلاح، اس کی مکمل اصلاح
اور ہمہ جہتی اصلاح کا نکتہ شامل ہے۔ فرد کی اصلاح کے بغیر معاشرہ وریاست کی
اصلاح کی صورت کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں اور فرد کی اصلاح اور تعمیر سیرت کا کام
ایسا ہے، جو ایک دن یا دوچار سال کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ فرد وافراد کو مہذب انسان

بنانے کے لئے لگاتار نفس کے خلاف جنگ جوئی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے، جس میں شروع میں چند سالوں تک نفس کے خلاف سخت مجاہدہ سے کام لینا پڑتا ہے، اس کے بعد نفس کو مہذب بنانے کے عمل میں آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔

مولانا کی نظر میں فرد کی اصلاح میں محض عبادت اور ذکر وفکر سے رغبت پیدا ہونے سے کام نہیں چلتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عاداتِ بد کی اصلاح، بہتر اور پاکیزہ عادتوں کے استحکام اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی کاوشوں، انسانیت اور انسانی خصوصیات اور خوبیوں سے بہرہ وری اور انسانیت کے منافی آداب سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ مولانا کی نظر میں محض بزرگ بننا کافی نہیں ہے، بلکہ انسان بننا از حد ضروری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عبادت اور ذکر وفکر میں انہماک سے بعض اوقات فضل ہو ہی جاتا ہے، فرد بزرگ بن جاتا ہے۔ لیکن انسان بننا بہت زیادہ مشکل کام ہے، اس کے لئے روحانی مجاہدوں کے ساتھ ساتھ جسمانی مجاہدوں اور روک ٹوک سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر تہذیب نفس اور انسان بننے کا عمل مکمل نہیں ہوتا۔

موجودہ دور میں بزرگی کے نام پر عام طور پر جس چیز کی کمی ہے، وہ یہی ہے جس کی مولانا کی ملفوظات میں سیرحاصل نشاندہی کی گئی ہے۔

نفس کو مہذب بنانے کے لئے جہاں مولانا کثرت ذکر کے نور کو ناگزیر سمجھتے ہیں، وہاں صحبت اہل اللہ اور صحبت خاصان حق کو از حد ضروری سمجھتے ہیں۔ صحبت کے بغیر نئی زندگی، پاکیزہ زندگی اور روحانیت سے سرشار زندگی تخلیق ہو سکے اور وجود میں آسکے، مشکل ہے۔

مولانا فرماتے ہیں جس قوم کے مذہبی رہنما امیر ہوں گے، وہ مذہب اور قوم فساد سے دوچار ہوگی، اس لئے کہ امارت ودولت کی وجہ سے انہیں قوم اور مذہب سے واسطہ رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس فساد کا سبب یہی نہیں، بلکہ امارت ومالداری کی خصوصیت مسکینوں سے دوری ہے۔ (الافاضات الیومیہ جلد ششم صفحہ ۲۲۵)

نفس کو مہذب بنائے بغیر فرد کی مثال بادشاہ کی اس بلی کی سی ہوتی ہے، جسے

بادشاہ وقت نے تربیت کے ذریعہ رات بھر لالٹین اپنے سر پر اٹھائے رکھنے کا سلیقہ سکھایا تھا، بادشاہ وقت نے سمجھ لیا تھا کہ اب بلی مہذب بن گئی ہے، جب بادشاہ نے اس کا ذکر وزیر سے کیا تو وزیر نے کہا کہ بلی کو آزمانا چاہئے، چنانچہ بلی کے سامنے اچانک چوہے چھوڑ دیئے گئے، جس سے بلی بے قابو ہوگئی ہوکر بھاگنے لگی اور اس کی ساری تربیت یکدم بے کار ثابت ہوگئی، اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ علم کے ساتھ اگر خاصان حق کی صحبت اور کثرت ذکر کا نور نہ ہوگا تو مادہ پرستی اور نفس پرستی کے طوفان، افراد کو مسلسل زیر وزبر کرتے رہیں گے اور علم وذہانت کے ذریعہ معاشرہ میں تفریق اور جنگ وجدل سے بچنا دشوار ہوگا۔

معاشرہ میں اہل اسلام کی طرف سے دعوتی کاموں کے مؤثر نہ ہونے اور باطل قوتوں کی فروغ پذیری کے سلسلہ میں مولانا کا بیان کردہ یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ اہل حق میں نظم اور تنظیم موجود نہیں اور مل کر کام کرنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ ایک فرد دین کا جو کام شروع کردیتا ہے، دوسرے افراد اس کام کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے اس فرد کا اپنا کام سمجھ کر، اس کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ایک آدھ فرد کا شروع کردہ کام یا تو ختم ہوجاتا ہے یا پھر وہ مؤثر صورت اختیار کرنے سے قاصر رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں میں نظم کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، ورنہ باطل قوتیں ان کی زندگی دشوار کردیں گی۔

مولانا کے ہاں اس طرح کے سکڑوں نکات ہیں، جن سے ہم اخذ فیض کرکے عالمی کفر کے موجودہ ماحول میں نہ صرف بہتر اور پاکیزہ مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں، بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کا بہتر نمونہ پیش کرکے ان کے لئے بھی آئیڈیل بن سکتے ہیں اور کفر کی عالمی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر بھی ہو سکتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی تصوف کی تعبیر وتشریح ایسی ہے، جو قرآن وسنت سے بالکل مطابقت رکھتی ہے اور جدید اسلامی فکر سے وابستہ وہ افراد، جو غلبہ دین کا فکر رکھتے ہیں، لیکن اصلاح نفس کے فقدان کی وجہ سے وہ قیل قال، منصوبہ

بنانے کے لئے لگاتار نفس کے خلاف جنگ جوئی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے، جس میں شروع میں چند سالوں تک نفس کے خلاف سخت مجاہدہ سے کام لینا پڑتا ہے، اس کے بعد نفس کو مہذب بنانے کے عمل میں آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔

مولانا کی نظر میں فرد کی اصلاح میں محض عبادت اور ذکر وفکر سے رغبت پیدا ہونے سے کام نہیں چلتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عاداتِ بد کی اصلاح، بہتر اور پاکیزہ عادتوں کے استحکام اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی کاوشوں، انسانیت اور انسانی خصوصیات اور خوبیوں سے بہرہ وری اور انسانیت کے منافی آداب سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ مولانا کی نظر میں محض بزرگ بننا کافی نہیں ہے، بلکہ انسان بننا از حد ضروری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عبادت اور ذکر وفکر میں انہماک سے بعض اوقات فضل ہو ہی جاتا ہے، فرد بزرگ بن جاتا ہے۔ لیکن انسان بننا بہت زیادہ مشکل کام ہے، اس کے لئے روحانی مجاہدوں کے ساتھ ساتھ جسمانی مجاہدوں اور روک ٹوک سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر تہذیب نفس اور انسان بننے کا عمل مکمل نہیں ہوتا۔

موجودہ دور میں بزرگی کے نام پر عام طور پر جس چیز کی کمی ہے، وہ یہی ہے جس کی مولانا کی ملفوظات میں سیر حاصل نشاندہی کی گئی ہے۔

نفس کو مہذب بنانے کے لئے جہاں مولانا کثرت ذکر کے نور کو ناگزیر سمجھتے ہیں، وہاں صحبت اہل اللہ اور صحبت خاصان حق کو از حد ضروری سمجھتے ہیں۔ صحبت کے بغیر نئی زندگی، پاکیزہ زندگی اور روحانیت سے سرشار زندگی تخلیق ہو سکے اور وجود میں آسکے، مشکل ہے۔

مولانا فرماتے ہیں جس قوم کے مذہبی رہنما امیر ہوں گے، وہ مذہب اور قوم فساد سے دوچار ہوگی، اس لئے کہ امارت ودولت کی وجہ سے انہیں قوم اور مذہب سے واسطہ رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس فساد کا سبب یہی نہیں، بلکہ امارت ومالداری کی خصوصیت مسکینوں سے دوری ہے۔ (الافاضاۃ الیومیہ جلد ششم صفحہ ۲۲۵)

نفس کو مہذب بنائے بغیر فرد کی مثال بادشاہ کی اس بلی کی سی ہوتی ہے، جسے

بادشاہ وقت نے تربیت کے ذریعہ رات بھر لالٹین اپنے سر پر اٹھائے رکھنے کا سلیقہ سکھایا تھا، بادشاہ وقت نے سمجھ لیا تھا کہ اب بلی مہذب بن گئی ہے، جب بادشاہ نے اس کا ذکر وزیر سے کیا تو وزیر نے کہا کہ بلی کو آزمانا چاہئے، چنانچہ بلی کے سامنے اچانک چوہے چھوڑ دیئے گئے، جس سے بلی بے قابو ہوگئی ہو کر بھاگنے لگی اور اس کی ساری تربیت یکدم بے کار ثابت ہوگئی، اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ علم کے ساتھ اگر خاصان حق کی صحبت اور کثرت ذکر کا نور نہ ہوگا تو مادہ پرستی اور نفس پرستی کے طوفان، افراد کو مسلسل زیر وزبر کرتے رہیں گے اور علم وذہانت کے ذریعہ معاشرہ میں تفریق اور جنگ وجدل سے بچنا دشوار ہوگا۔

معاشرہ میں اہل اسلام کی طرف سے دعوتی کاموں کے مؤثر نہ ہونے اور باطل قوتوں کی فروغ پذیری کے سلسلہ میں مولانا کا بیان کردہ یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ اہل حق میں نظم اور تنظیم موجود نہیں اور مل کر کام کرنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ ایک فرد دین کا جو کام شروع کردیتا ہے، دوسرے افراد اس کام کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے اس فرد کا اپنا کام سمجھ کر، اس کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ایک آدھ فرد کا شروع کردہ کام یا تو ختم ہوجاتا ہے یا پھر وہ مؤثر صورت اختیار کرنے سے قاصر رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں میں نظم کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، ورنہ باطل قوتیں ان کی زندگی دشوار کردیں گی۔

مولانا کے ہاں اس طرح کے سکڑوں نکات ہیں، جن سے ہم اخذ فیض کر کے عالمی کفر کے موجودہ ماحول میں نہ صرف بہتر اور پاکیزہ مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں، بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کا بہتر نمونہ پیش کر کے ان کے لئے بھی آئیڈیل بن سکتے ہیں اور کفر کی عالمی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر بھی ہو سکتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی تصوف کی تعبیر وتشریح ایسی ہے، جو قرآن وسنت سے بالکل مطابقت رکھتی ہے اور جدید اسلامی فکر سے وابستہ وہ افراد، جو غلبہ دین کا فکر رکھتے ہیں، لیکن اصلاح نفس کے فقدان کی وجہ سے وہ قیل قال، منصوبہ

بندی اور سطحی کاموں سے آگے بڑھ کر افرا معاشرہ کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے اور ساتھیوں کو محبت کے ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت سے قاصر ہیں، مولانا تھانویؒ کی تصوف کی تشریح میں ان کے لئے تصوف سے استفادہ کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں۔ اور ان کے سارے اشکالات دور ہوجاتے ہیں۔

مثلا مولانا فرماتے ہیں کہ تصوف، فرد کے باطن کی اصلاح کر کے اسے اسلام سے ہم آہنگ بنانے کا ذریعہ ہے اور فرد وافراد میں اخلاص، للہیت، محبت ومعرفت اور شریعت پر استقامت سے چلنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ مزید فرماتے ہیں، کشف، کرامات، روحانی مشاہدے اور تصرفات وغیرہ کی صحیح تصوف میں کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ یہ چیزیں اگر شریعت سے دور کرنے اور دعویٰ کا ذریعہ بن جائیں تو یہ نورانی حجابات میں شامل ہوتی ہیں۔ اگر اسلامی شریعت، محبت واخلاص واخلاق حسنہ حاصل ہیں تو گویا سب کچھ حاصل ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے کشف وکرامات اور روحانی مشاہدوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

بیعت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ بیعت کو فرض، واجب اور ضروریات میں شمار کیا گیا ہے، جب کہ بیعت ضروری نہیں۔ صحبت ورابطہ اور اصلاح کے لئے شیخ سے تعلق ضروری ہے۔ بیعت کے بغیر صحبت وذکر سے ہی سارا کام بن جاتا ہے کہ بیعت علامت ہے اس بات کی کہ مرید عہد کرتا ہے کہ میں اصلاح کے سلسلہ میں شیخ کی تعلیمات پر عمل کروں گا اور شیخ مرید سے عہد کرتا کہ وہ اس کی تربیت کا اہتمام کرے گا، ظاہر ہے یہ کام محض رسمی بیعت سے نہ ہوگا بلکہ مسلسل صحبت ورابطہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ تصوف کے دو بنیادی اصولی نکتے ہیں، ایک صحبت دوسرا ذکر۔ یہ دونوں چیزیں قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ تصوف میں شامل دوسری ساری چیزوں کی حیثیت تدبیر، حکمت عملی اور معاون کی سی ہے۔ ان کو تصوف میں تدبیر کی حیثیت سے اختیار کیا جاتا ہے، نہ کہ دین کا حصہ سمجھ کر۔

فنا فی الشیخ اور تصور شیخ کے بارے میں بھی مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہستی

کے علاوہ انسانوں کا تصور جمانا اور اس کے لئے مشقیں کرنا، میری اسلامی غیرت اسے برداشت نہیں کرتی، بعض بزرگوں کے ہاں اسے تدبیر کی حیثیت سے اختیار کیا جاتا رہا ہے کہ اگر ذہن اور دل ذکر کے لئے آمادہ نہ ہو تو انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت شیخ کا تصور کریں۔ اس سے ذکر کے لئے ذہنی یکسوئی پیدا ہوجائے گی، لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ تصور شیخ کی خرابیوں کو دیکھنے کے بعد اب اس تصور کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس لئے کہ اس مشق سے بعض اوقات طالب کے ذہن پر ہر وقت شیخ کی مثالی صورت غالب ہوسکتی ہے، جس سے اعتقادی خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

غلبۂ اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک دینی فریضہ ہے، جس کے لئے جدوجہد ہونا ضروری ہے۔ معاشرہ کے بگاڑ کا سبب ہی یہی ہے کہ صحیح اسلامی حکومت نہیں، جس کی وجہ سے باطل اور باطل قوتیں غالب ہوگئی ہیں، لیکن غلبۂ اسلام کے کام کا فطری طریقہ یہی ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ اسلامی اخلاق وکردار کے حامل افراد تیار کئے جائیں۔ جو معاشرہ اور ریاست کے اداروں کو بدلنے اور اسلام کے حوالے سے اپنے کردار کی بھرپور ادائیگی کا جذبہ وداعیہ رکھتے ہوں، جو اسلام کو اپنی ذاتی زندگی کے ساتھ ریاست کی اجتماعی زندگی میں اس کا عملی نقشہ دیکھنے کے لئے مضطرب ہوں، یہ کام ایسا ہے جو اللہ کی محبت کے طاقتور داعیہ کی برکت سے ہی ہوسکتا ہے۔

جدید اسلامی فکر سے وابستہ افراد کے لئے مولانا کا بیان کردہ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ فرد کی نفسی قوت اتنی طاقتور ہے کہ اس کی اصلاح محض کتابوں کے مطالعہ اور وعظ ونصیحت کی باتوں سے نہیں ہوسکتی، ہر فرد کے اندر وسیع جنگل موجود ہے، جس میں ہزاروں خونخوار درندے ہر وقت فرد وافراد کو مار ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس وسیع جنگل سے خیر وخوبی سے سفر طے کرنے کے لئے اس راہ کے آشنا فرد، جسے طریقت میں شیخ کہتے ہیں، اس کی معیت کی ضرورت لاحق ہے، دوسری صورت میں فرد خطرہ ہی خطرہ میں ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے جہاد کی جو تشریح کی ہے وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

ایک فاضل فلسفی نے یورپ کے شبہ سے متاثر ہوکر، مجھ سے پوچھا تھا کہ جہاد کیا چیز ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ اشاعت حق ضروری ہے، اس لئے اس کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے، جب کفار مغلوب ہو کر رہیں۔ اُس کی صورتیں ہیں، یا تو وہ جزیہ دیں، اس سے بھی وہ مغلوب سمجھیں جائیں گے یا جزیہ نہ دیں تو اُن سے قتال ہوگا۔ بس یہ جہاد ہے۔ کہنے لگے کہ اگر وہ صلح کرلیں، تب بھی رکاوٹ دور ہو سکتی ہے، میں نے کہا کہ صلح کرنے سے وہ مغلوب نہ ہونگے، کیونکہ جب چاہیں صلح توڑ دیں۔ سو جو مقصود ہے کہ مغلوب ہو کر رہیں، وہ مقصود صلح سے حاصل نہیں ہو سکتا، اس جواب سے ان کو بہت تسلی ہوئی۔ (صفحہ ۱۹۷ حصہ ہشتم)

مولانا تھانویؒ کی جہاد کی بیان کردہ یہ حکمت کہ وہ اشاعت دین کے لئے کفار کو محکوم ومفتوح بنانے کے لئے ہے۔ بہت اہم نکتہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں مولانا کی فکر جدید اسلامی فاضلوں کی فکر کے ہمنوا ہے۔ اس اعتبار سے مولانا ان سے زیادہ انقلابی معلوم ہوتے ہیں، لیکن جہاد کی اس غیر معمولی اہمیت کے باوجود عملاً مسلم معاشرے کی طرف سے کفار کو مغلوب بنانے کے لئے جہاد کے سلسلہ میں کوئی تیاری نہیں۔

اس کا سبب دینی اعتبار سے مسلمانوں کی زوال پذیری ہی ہے، جس امت کے ذہین اور پڑھے لکھے طبقات کی بڑی اکثریت کفر کی عالمی طاقتوں کے ہاتھوں دولت سے فروخت ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہوں، جو ان کی مادہ پرست تہذیب پر فدا ہوں، ہر وقت مختلف بہانوں سے ان سے مالی امداد لینے کے آرزو مند ہوں، اس امت میں اس جہاد کی تیاری سے پہلے اصل کرنے کا جو کام ہے، وہ یہ ہے کہ تعلیم وتربیت اور دعوتی وعلمی کام کے ذریعہ مسلمانوں کی دینی حس کو بیدار کیا جائے اور خارجی باطل اور خارجی بتوں سے زیادہ باطن میں موجود باطل کی قوت کے خلاف ان کے شعور کو اجاگر کیا جائے اور ان کی سوئی ہوئی دینی حمیت کو متحرک کیا جائے۔ یہی وہ ترتیب ہے، جس سے امید کی جاسکتی ہے کہ امت میں اشاعت حق

کی خاطر کفار سے جہاد کے اس آخری مرحلہ کی تیاری کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے، ورنہ مسلمانوں کی موجودہ دینی زوال پذیری کی حالت میں تو یہی ہوتا رہے گا کہ اسلام کی آواز بلند کرنے اور غلبہ اسلام کے علمبرداروں کو جدیدیت سے مرعوب اور عالمی کفر کے آلہ کار حکمران پھانسیاں دیتے رہیں گے اور انہیں کچلنے کے لئے آخری حد تک قوت کا استعمال کرتے رہیں گے۔ جس طرح مصر، بنگلہ دیش، اور اس سے پہلے الجزائر وغیرہ میں ہو چکا ہے۔

صحیح اہل تصوف کے ہاں جہاد کی اہمیت یہی رہی ہے۔ حضرت احمد شہید کا سکھوں کے خلاف جہاد، امام شامل کا زاروں کی حکومت کے خلاف جہاد، افغانستان میں روس اور اس کے بعد امریکہ کے خلاف پاکستان کے دینی مدارس سے فارغ علماء کا جہاد، یہ سب اس کی واضح مثالیں ہیں۔ موجودہ دور میں جدید اسلامی فکر کے حامل افراد جو معاشرہ کی تبدیلی اور کفر کے خلاف ہر اعتبار سے مؤثر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، چونکہ تصوف واہل تصوف سے عدم استفادہ کی وجہ سے وہ روحانی واخلاقی طور پر مستحکم نہیں ہیں، وہ نفس کے مکر وفریب کی وسیع تر دنیا سے آشنا نہیں، اس لئے غلبہ اسلام کی جدوجہد جلسوں، اخباری بیانات، منصوبہ بندی اور سیاسی محاذ پر اچھل کود سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

اس اعتبار سے مولانا تھانویؒ کی فکر وتعلیمات ایسی ہے، جس سے جدید اسلامی فکر کے حامل افراد بہتر طور پر استفادہ کرکے، اسلام، امت اور مسلم معاشرے کے لئے زیادہ مؤثر ومفید ثابت ہو سکتے ہیں اور وہ معاشرہ میں اپنے کردار اور دعوتی جذبہ سے ایسی قوت حاصل کر سکتے ہیں، جس سے چند سالوں کے اندر عالمی کفر کی طاقتوں کی حکمت عملی کے مقابلہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لئے نافع بنائے اور ہمیں دجالی تہذیب اور اس کے علمبرداروں کی طرف سے مسلسل اکساتے رہنے کی وجہ سے خواہشات نفس کے طوفانوں سے بچائے اور ایمان کی سلامتی عطا فرمائے اور سلامتی ایمان کے ساتھ رخصت فرمائے۔ (آمین)

محمد موسیٰ بھٹو

۱۱ جولائی ۲۰۱۴ء

مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی اصلاح کے لئے راہ عمل

تصور شیخ کے بعض نقصانات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تصور شیخ کا مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے، تصور شیخ کو جسے بعض حضرات نے منع کیا ہے، اُسکی وجہ یہ ہے کہ بعض افراد کی خیالی قوت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، اُس سے کبھی شیخ کی مثالی صورت منکشف ہوجاتی ہے، جس سے طالب، شیخ کو حاضر ناظر سمجھنے لگتا ہے، اس لئے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ عامی شخص کو کبھی ایسے اشغال نہ بتائے جائیں، جن سے کشف ہونے لگے صرف ذکر واوراد کی تعلیم مناسب ہے، اس صورت میں اگر شیخ کی مثالی صورت ظاہر ہوگئی، اگر عالم ہے تو حقیقت سمجھیگا، چونکہ اُس حقیقت کے مبادی اُس کے ذہن میں ہیں، مگر جاہل نہ سمجھے گا، جس سے اُس کے عقائد خراب ہوجائیں گے۔ (صفحہ۴۔ جلد چہارم)

(اس ملفوظ میں تصور شیخ کا جو غیر صحتمند پہلو واضح ہوا ہے، وہ بہت اہم ہے اور غالی اور جاہل مریدوں کے عقائد کی حفاظت وصحت کے اعتبار سے نہایت مفید ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض خانقاہوں کا سارا نظام فنا فی الشیخ کے تصور پر رکھا گیا ہے، وہاں مصنوعی طور پر ایسا ماحول پیدا کیا گیا ہے، جس سے مریدوں کے دلوں اور ذہنوں میں خدا سے بھی زیادہ شیخ کا تصور اور نقش مستحکم ہوجائے، فنا فی الشیخ کے اس ماحول اور ان کاوشوں کی وجہ سے جاہل مریدوں کی قوت متخیلہ میں شیخ کی تصویر ہر وقت گھومنے لگتی ہے، جس سے وہ شیخ کو حاضر ناظر سمجھتے ہیں، وہ زندگی بھر عقائد کی ان خرابیوں میں مبتلا رہتے ہیں، اس ملفوظ میں ایک دوسرا باریک نکتہ جو بیان فرمایا گیا ہے، وہ یہ عام ہے کہ فرد (اور مبتدی) کو ذکر واوراد ہی کی تعلیم دی جائے، اس لئے

کہ کثرت ذکر کے نور سے پہلے اگر تصور شیخ اور مراقبہ جات کی تعلیم دی گئی تو طالب پر مشاہدات کی راہ کھل سکتی ہے اور اسے کشف ہوسکتا ہے، مشاہدات کی راہ مبتدی طالب کو دعویٰ کی راہ پر لگا کر، اس کی روحانی ترقی اور اس کے تزکیہ نفس کے سلسلہ میں غیر معمولی طور پر رکاوٹ ثابت ہوسکتی ہے۔)

طبعی خوف کی حقیقت

فرمایا، حق تعالیٰ سے تعلق جتنا بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی مخلوق سے طمع اور خوف گھٹتا جاتا ہے، یہ حالت ہوجاتی ہے جس کو فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش، چہ فولاد ہندی نہی برسرش،
امید وہراسش نباشدزکس، ہمیں است بنیاد توحید وبس،

(موحد کے پیروں میں (لالچ دلانے کیلئے) سونا ڈال دو (یاڈرانے کے لئے) تلوار اسکے سر پر رکھدو، اُس کو نہ کسی سے لالچ ہوتی ہے، نہ خوف ہوتا ہے۔ یہی توحید کی بنیاد ہے کہ بجز حق تعالیٰ کے نہ کسی سے امید ہو نہ کسی کا خوف ہو۔)

ہاں کبھی طبعی ضعف، مخلوق سے خوف کا سبب ہوجاتا ہے، وہ اس سے مستثنے ہے، ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے گفتگو کرتے ہوئے حالت غیظ میں کہا کہ کوئی ہے، بزرگ نے بھی انتقاماً کہا کہ کوئی ہے، ان کے اس کہنے سے ایک کونے سے نہایت زبردست شیر ببر ظاہر ہوا اور بادشاہ پر حملہ کرنے چلا، بادشاہ تو شیر کے خوف سے بھاگا ہی تھا، مگر یہ بزرگ بھی ڈر کر بھاگے، یہ طبعی نوعیت کا خوف ہوتا ہے۔ ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے جسوقت زمین پر اپنا عصا ڈالا اور وہ اژدہا بن گیا تو آپ خوف سے بھاگنے لگے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔'' لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون'' تو موسیٰ علیہ السلام پر بھی خوف طاری ہوا، یہ طبعی نوعیت کا خوف ہوتا ہے بعض لوگوں نے زمانہ تحریک خلافت میں میرے متعلق کہا کہ یہ گورنمنٹ سے ڈرتا ہے، میں نے کہا کہ موذی سے تو ہر شخص ڈرتا ہے اور گورنمنٹ تو پھر ایک طاقتور چیز ہے، میں تو سانپ سے بھی ڈرتا ہوں، بچھو سے ڈرتا ہوں، بھڑ سے ڈرتا ہوں تو یہ خوف طبعی ہے، یہ مستثنے ہے۔ (صفحہ۵ جلد چہارم)

نفس کی فرعونیت کا علاج

فرمایا، کسی کو اچھا معلوم ہو یا بُرا، کوئی معتقد رہے یا غیر معتقد، غضب کی بات ہے کہ میں تو اصلاح کروں، دین کا نفع پہونچاؤں اور میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں کہ مجھے فرعون بنانے کی کوشش کریں، انسان ہے، بشریت ہے، اس طرز سے (یعنی آداب بجالانے سے) قلب میں کبھی نہ کبھی اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ لوگ ہماری اتنی تعظیم اور ادب کرتے ہیں تو ہم فی الواقع کچھ ہونگے، اس لئے تو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، نفس کا کیا اعتبار ہے، یہ بات ہر وقت یاد رکھنے کی ہے کہ نفس کو کبھی ایسا موقع نہ دیا جائے اور ایسے اسباب نہ پیدا ہونے دیئے جائیں، جس سے اسکو شرارت کا موقع ملے، یہ نہایت ہی کام کی بات ہے، نفس وہ بلا ہے کہ جس نے بڑوں بڑوں کے زہد، تقوی اور تقدس کو ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دیا، اسکو کبھی مُردہ مت سمجھو، بعض اوقات یہ اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے اور موقع اور اسباب کا منتظر رہتا ہے، اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

نفس اژدرہاست او کے مردہ است، — ازغم بے آلتی افسردہ است،

(نفس ایک اژدہا ہے یہ مردہ نہیں ہے، بلکہ کسی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا ہے۔)

اور فرماتے ہیں۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد، — کن ذلیل النفس ہونا لاتسد،

(زیادہ تعریفیں سُن کر نفس فرعون ہوگیا ہے، لہٰذا اس کو کبھی کبھی ذلیل کرلیا کرو۔)

اسکی چالاکیاں اور مکاریاں کسی شیخ کامل کی صحبت سے ہی محسوس ہوسکتی ہیں اور اُن کا علاج ہوسکتا ہے، صحبت کامل ہی اس زہر کا تریاق ہے، ویسے یہ کہاں قبضہ میں آتا ہے، شیطان کو اسی نے مردود بنایا، اُس کی ساری عبادت کو ایک لحہ کے اندر برباد کرادیا، یہ ایسا دشمن جان بلکہ دشمن ایمان ہے۔ (صفحہ۶۔۷)

بدظنی کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے

فرمایا، سوء ظن کیلئے تو دلیل کی ضرورت ہے، جب کہ حسن ظن کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں، الحمدللہ سوء ظن تو میرے اندر قریب ناپید ہے اور حسن ظن بڑی

حد تک موجود ہے، اسی لئے میرا ایک معمول یہ بھی ہے کہ میں کسی کی روایت پر عمل نہیں کرتا، جب تک کہ صاحب واقعہ سے تحقیق نہ کرلوں، اس باب میں آجکل لوگ بہت کم احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ (صفحہ۱۱۔ جلد چہارم)

کتابوں کو طالب علمانہ حیثیت سے دیکھنا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں جو کتاب دیکھتا ہوں، غیر محقق طور پر دیکھتا ہوں، اصل نظر اپنے بزرگوں کے طریقے پر رہتی ہے اور فن کو اُسکے تابع کرتا ہوں اور وہ حضرات محقق ہونے کی وجہ سے کتابوں کو اصل سمجھتے تھے اور اس پر بزرگوں کے طریقے کو منطبق کرتے تھے۔ (صفحہ۱۱)

(اتنے بڑے مجدد امت کی طرف سے بزرگوں کے طریقے اور ان کی تحقیق کو فیصلہ کن اہمیت دینا، اور دین کے بنیادی معاملات میں ان سے ہٹ کر رائے قائم نہ کرنا، اس میں ہمارے لئے یہ سبق پوشیدہ ہے کہ سلف صالحین کی تعلیمات وفکر کو ہمیں فیصلہ کن سمجھنا چاہئے، ورنہ امت میں قرآن وسنت کے نام پر نئے نئے گروہوں کی تشکیل کو روکنا دشوار ہوجائے گا۔ مرتب)

آزادی میں خلل نہ ڈالنا

فرمایا، یہاں آنے والوں، رہنے والوں اور جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، اُن سب سے چاہتا ہوں کہ وہ میری آزادی میں خلل نہ ڈالیں اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کریں، عمل کا اہتمام کریں، ہدیہ کی پابندی نہ کریں، اس سے مجھے گرانی ہوتی ہے، پھر خدا کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ محرومی نہ ہوگی۔ (صفحہ۱۱)

ناز اور دعوٰی کی وجہ سے
زہد وتقوٰی کا برباد ہوجانا

فرمایا، فرد کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہئے، ہمیشہ نیاز پیدا کرنے کی سعی میں لگا رہنا چاہیئے، اسی میں خیر ہے، جہاں آگے بڑھا، فوراً پٹک دیا جاتا ہے، اسی ناز کی بدولت ہزاروں لاکھوں کے زہد اور تقوے برباد کردیے گئے۔ پیر صاحب کو اس پر ناز نہیں ہونا چاہیئے کہ میں ہی مریدوں کا ذریعۂ نجات ہوں، بلکہ کبھی مرید، پیر کیلئے ذریعۂ

نجات بن جاتے ہیں، جیسے باپ کبھی بیٹے کا محتاج ہوتا ہے کہ بھائی لاٹھی پکڑا لو اور کبھی بیٹے کو باپ کی حاجت ہوتی ہے، اسی طرح اگر مرید پر رحمت ہوگی تو پیر کو بھی ہمراہ لے لیگا اور اگر پیر پر رحمت ہوگی، تو مرید کو ہمراہ لے لیگا، اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو آنے والوں کو اس نیت سے مرید کر لیتے ہیں کہ، اگر ان پر رحمت ہوگئی تو ہم بھی اُس کے ساتھ ہو جائینگے، واقعی یہ حضرات اپنے کو مٹائے ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۱۷)

نادانی پر مشتمل حرکتیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی خشکی بھی نہیں ہونی چاہئے جس سے سوء ادب لازم آئے، جس طرح ایک نجدی کا واقعہ ہے کہ کسی مجوز توسل سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دیتے ہو، اسکا کوئی بھی اثر نہیں اور اسکے بعد یہ کیا کہ اونٹ بیٹھا ہوا تھا، اُس سے خطاب کیا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں تو کھڑا ہوجا، وہ کھڑا نہیں ہوا، پھر ایک ڈنڈا مارا تو کھڑا ہوگیا، کہنے لگا کہ یہ ڈنڈا زیادہ مؤثر ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کی توسل سے، دیکھئے کیسا بُرا عنوان ہے، اُس مجوز نے جواب میں یہ کیا کہ ایک اونٹ سے کہا کہ میں تجھے خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کھڑا ہوجا، وہ کھڑا نہیں ہوا، پھر ایک ڈنڈا مارا تو کھڑا ہوگیا اور کہا کہ کیا ڈنڈا اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ افراط وتفریط دونوں ممنوع ہیں، یہ باتیں جہل کی بدولت ہوتی ہیں، جہل بہت بُری چیز ہے، یہ فرد کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتا ہے۔

کانپور کا واقعہ ہے کہ میرے پاس دو شخص آئے، ایک مولوی صاحب اور ایک عامی، باہمی جھگڑا یہ تھا کہ مولوی صاحب تو یہ کہتے تھے کہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ عبدالقادر جیلانی کو قطعی جنتی نہیں سمجھنا چاہئے اور وہ جاہل یہ کہتا تھا کہ جب وہ جنتی نہیں تو اور کون جنتی ہوگا، میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ عام لوگوں سے ایسے واقعات میں گفتگو کرنا مناسب نہیں، یہ لوگ خالی الذہن ہوتے ہیں، ان کو سمجھانا مشکل ہے، بخلاف اہل علم کے کہ اُن کے ذہن میں مبادی ہوتے ہیں، انہیں سمجھانا

آسان ہے اور میں نے اُس عامی شخص سے کہا کہ میاں، واقعی اگر وہ جنتی نہ ہونگے تو اور کون ہوگا، میرے کہنے پر مولوی صاحب کو پریشانی لاحق ہوئی اور سوچنے لگے کہ کیا دلیل بیان ہوگی جنتی ہونے کی، پھر میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی جنتی ہیں یا نہیں، اُس نے کہا کہ یقیناً جنتی ہیں، میں نے دریافت کیا کہ سیدنا حضرت صدیقؓ کا جنتی ہونا کیسے ثابت ہوا، کہا کہ حضور ﷺ کے فرمانے سے، پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کا جنتی ہونا کیسے ثابت ہوا، کہا کہ اولیاء امت کی شہادت سے، میں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ اور اولیاء کے ارشاد میں کچھ فرق سمجھتے ہو یا نہیں، کہا کہ زمین آسمان کا فرق ہے، میں نے دریافت کیا کہ جب حضور ﷺ اور اولیاء دونوں کے ارشاد میں فرق سمجھتے ہو تو ان کے اثر میں بھی فرق سمجھتے ہو، کہا کہ ضرور، میں نے دریافت کیا کہ تو پھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اور حضرت غوث پاکؒ کے جنتی ہونے میں بھی وہی فرق سمجھتے ہوگے، کہا کہ ہاں، تب میں نے مولوی صاحب سے خطاب کیا کہ لیجئے، حضرت، جو عقیدہ آپ کا ہے، وہی اس شخص کا بھی ہے، فرق دونوں میں صرف عنوان کا ہے، یہ جس کو یقین کہتا ہے، آپ اُس کو غلبۂ ظن کہتے ہیں، مگر بات ایک ہی ہے۔ اس پر مولوی صاحب، بہت خوش ہوئے، میں نے کہا کہ مولوی صاحب، عوام الناس کو بلاضرورت اور بلا وجہ پریشان کرنا اور متوحش بنانا اور بغیر دلیل کے ان پر بدگمانی کرنا اور سوءظن کرنا جائز نہیں، دیکھئے، اصل مقصد میں دونوں متفق تھے، اسلئے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے جنتی ہونے سے حضرت غوث پاکؒ کے جنتی ہونے کا درجہ سمجھتا تھا، اسی فرق کا نام عدم قطعیت ہے، جس پر مولوی صاحب اُس سے الجھ رہے تھے، حدود کے نہ سمجھنے سے اس قسم کی تشویشات پیدا ہوتی ہیں۔ (صفحہ ۱۸۔۱۹)

ظاہر وباطن، دونوں کی فکرمندی کی ضرورت

فرمایا، میں کہا کرتا ہوں کہ اعمال کی ظاہری صورت کی بھی حفاظت کی سخت ضرورت ہے، مگر صرف صورت ہی پر قناعت نہ کرو، اس کی بھی کوشش کرو کہ روح

پیدا ہو۔ اگر آپ کسی پر عاشق ہوجائیں تو کیا آپ یہ پسند کرینگے کہ محبوب کی آنکھ نہ ہو، کان نہ ہو، ناک نہ ہو، یہ سب ہوں، مگر محبوب میں روح نہ ہو، اُس وقت تو اُس کی طرف رخ کرنے کو بھی جی نہ چاہیگا اور اس کے پاس کھڑے ہونے کو بھی پسند نہ کرو گے، خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں کے اہتمام کی ضرورت ہے، ظاہر، باطن کے بغیر ٹھیک نہیں ہوسکتا اور نہ باطن بغیر ظاہر کے ٹھیک ہوسکتا ہے۔ (صفحہ ٢٠)

(ظاہر وباطن دونوں کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے **وذرو ظاھر الاسم وباطنہ** (بچو ظاہری گناہوں سے بھی اور باطنی گناہوں سے بھی) قرآنی نص موجود ہے،اس سلسلہ میں صوفیاء خام جو ظاہر سے بے نیاز ہوکر محض باطنی اصلاح کی فکر میں غلطاں رہتے ہیں اور جدید اسلامی فکر کے حامل، جو باطنی اصلاح کو غیر اہم سمجھتے ہیں، دونوں غلطی پر ہیں۔ مرتب)

بددین صوفیوں کی حرکتیں
اور حضرت بایزید کا واقعہ

فرمایا، آجکل کے جاہل صوفی نہایت ہی بددین ہیں، انکا کام صرف ایک ہی رہ گیا ہے، وہ یہ کہ نو عمر لڑکوں اور عورتوں سے اختلاط، بس یہی ان کا تصوف ہے، یہی ان کا مراقبہ ہے، یہی مکاشفہ ہے، یہی استغراق ہے، یہ لوگ تو فاسق وفاجر ہیں اور پہلے لوگ بھی بدعتی تھے، مگر بددین نہ تھے، یہ تو خلف کا حال تھا اور سلف تو دین کے عاشق تھے، چنانچہ مثنوی کے دفتر چہارم میں حضرت بایزید بسطامی کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ حالت استغراق میں ''سبحانی ما اعظم شانی'' کہہ دیتے تھے، مریدوں نے ایک روز کہا کہ یہ آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا کہ اگر اب کی مرتبہ کہوں تو مجھے چُھریوں سے ماردینا، مرید بھی ایسے نہ تھے، جیسے آجکل کے ہیں، وہ چُھریاں لیکر تیار ہوگئے، اُن سے غلبہ حال میں پھر وہی کلمہ نکلا، کلمہ کا نکلنا تھا کہ مریدوں نے چہار طرف سے مارنا شروع کیا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو تو ایک زخم بھی نہ آیا، اور مرید اپنی ہی چُھریوں سے زخمی ہوگئے، مولانا اسکا راز فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں کہتے تھے، ایسے لوگ صاحب حال گذرے ہیں، جنکی حالت مولانا کے اس قول

کی مصداق ہوتی تھی۔

عشق آمد عقل او آوارہ شد — صبح آمد شمع او بیچارہ شد،
عقل خود شحنہ است چوں سلطان رسید — شحنۂ بیچارہ در کنجے خزید،

(جس کے پاس عشق آگیا، اُسکی عقل پراگندہ ہوگئی، جب صبح آجاتی ہے تو شمع روشنی پھیلانے میں بے بس ہوجاتی ہے، عقل، مثل کوتوال کے ہے، جب سلطانِ عشق آگیا تو بیچارہ کوتوال کونہ میں دبک جاتا ہے۔)

لیکن اس حالت میں بھی اگر کوئی فعل خلاف شریعت یا خلاف سنت سرزد ہوجاتا تھا تو اُس پر اصرار نہ تھا، اُس کو اسرار نہ سمجھتے تھے اور یہ سمجھنا تو بڑی چیز ہے، اُن کو الٹی ندامت وشرمندگی ہوتی تھی، بخلاف آجکل کے بددینوں کے کہ بددینی پر فخر ہے، ناز ہے، اصرار ہے، ضد ہے، ہٹ ہے، استغفر اللہ۔ (صفحہ٢٣)

روسا کے وظیفوں سے تعلیم حاصل
کرنے والے طلبہ کی حالت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، ایک ناظم مدرسہ فرماتے تھے کہ جو طلبہ رؤساء کے وظائف سے تعلیم پائے ہیں، وہ اکثر ناکام ہوتے ہیں، فرمایا، اگر انہیں بظاہر کامیابی بھی حاصل ہوجائے، تب بھی اُنکے علم میں کوئی خاص برکت نہیں ہوتی، اس پر فرمایا کہ اس کا راز سمجھ میں نہیں آیا، ہاں اس کی ایک وجہ تو بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے طلبہ کی شروع سے ہی مخلوق پر نظر ہوتی ہے، دوم یہ کہ اس تعلق کی وجہ سے ان کی اپنے بزرگوں سے تعلق میں کمی ہوتی ہے، یہ سب سے زیادہ مضر چیز ہے۔ (صفحہ٢٤)

(علماء میں مخلوق پر نظر کا ہونا اور بزرگوں سے تعلق میں کمی کا ہونا، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جس سے ان کی تقریر، گفتگو اور خود شخصیت میں تاثیری صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ مرتب)

امراء کے پیسہ میں برکت کا نہ ہونا

فرمایا، تجربہ ہے کہ نرے امراء کے پیسہ میں برکت نہیں ہوتی، اب اس کے

اسباب جو بھی ہوں، میں نے ایک مرتبہ سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں یہی مضمون وعظ میں بیان کیا تھا، جب مدرسہ کے دارالطلبہ میں مسجد تیار ہوئی، اس مسجد کیلئے ایک بی بی نے روپیہ دیا تھا، وہ بھی وعظ میں شامل تھی، میں نے کہا کہ امراء ناز نہ کریں کہ ہم نے فلاں مدرسہ بنوایا، فلاں مسجد بنائی، یاد رکھو، تمہارے پیسہ میں برکت نہیں ہوتی، اگر برکت پیدا کرنا چاہو تو اُس کی صورت یہ ہے کہ چند غرباء سے پیسہ لے کر، اپنے پیسوں میں شریک کر لیا کرو، تب برکت ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ امراء کے پاس تو فلوس ہی فلوس ہوتا ہے اور غرباء کے پاس خلوص ہوتا ہے تو فلوس میں برکت کہاں، برکت تو خلوص میں ہوتی ہے۔ (صفحہ۲۵)

اپنے قوائد کے بارے میں
آخرت میں خوف کا لاحق ہونا

فرمایا، میرے یہاں جو قواعد اور ضوابط مقرر ہیں، اگر ان کے مصالح لکھواؤں تو ایک اچھا خاصہ رسالہ تیار ہوجائے، جیسے آیات کا شان نزول ہے، اسی طرح ان قواعد اور ضوابط کا بھی شان نزول ہے اور یہ سارے قوائد اپنی اور دوسروں کی راحت کے لئے ہیں، ورنہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ان قواعد اور ضوابط کی وجہ سے مجھ پر ہر وقت خوف طاری رہتا ہے کہ قیامت میں کہیں تجھ سے ان قواعد کا مواخذہ نہ ہونے لگے، اس لئے نہ مجھے ان قوائد پر ناز ہے، نہ میں اپنی اصلاح سے بے فکر ہوں، ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ، میں تو ضعیف ہوں، اس لئے میں نے ضابطے مقرر کئے ہیں کہ بے ضابطگی کا متحمل نہیں، آپ تو ضعیف نہیں، آپ ضابطہ سے کام نہ لیجئے، عرض مجھے سخت خوف لاحق ہے، میں بے فکر نہیں، بلکہ ڈرتا ہوں کہ اگر حق تعالیٰ نے میرے ساتھ اسی طرح ضابطہ کا برتاؤ کیا تو میرا تو کوئی بھی ٹھکانا نہیں اور یہ چیزیں ناز کی نہیں، بلکہ خود دلیل ہیں ضعف کی، ناز کی ان میں کوئی بات نہیں ہے، اسلئے ڈرتا ہوں اور اپنی اصلاح کا خیال رکھتا ہوں۔ (صفحہ۲۶)

مجاہد وہ ہے، جو نفس سے جہاد کرے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجاہدہ کی حقیقت ہے

ونهی النفس عن الهوىٰ اور اس کے حاصل ہونے کی تدبیر ہے خاف مقام ربہ (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا) اگر یہ کہا جائے کہ شریعت میں مجاہدہ سے مراد کفار سے جہاد ہے تو اس حدیث کے کیا معنی ہونگے المجاهد من جاهد نفسه (مجاہد وہ ہے، جو اپنے نفس سے جہاد کرے) بلکہ ظاہری مجاہدہ میں مشغول ہونا تو آسان کام ہے، جب کہ نفس کے ساتھ جہاد بہت زیادہ مشکل کام ہے اور اس میں تساہل کرنا، ایسا ہے کہ باہر کے دشمن کو تو مار دیا، مگر اندر کے دشمن کی طرف توجہ ہی نہیں۔ (صفحہ۲۹)

تصوف کے چار بنیادی اصول

فرمایا، متقدمین نے، مجاہدات میں چار چیزیں شامل کی تھیں، قلت الطعام، قلت المنام، قلت الکلام، قلت الاختلاط مع المنام یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، کم ملنا، متاخرین نے دو چیزوں کو حذف کردیا ہے، ایک تو قلت الطعام اور ایک قلت المنام، کیونکہ آج کل یہ دونوں چیزیں مضر ہیں، پہلے لوگوں کے قویٰ مضبوط ہوتے تھے، اُن کے مناسب تھے۔ اور دو کو باقی رکھا، ایک کم بولنا دوسرے کم ملنا اور ان دونوں چیزوں میں ہی لوگوں کو زیادہ بے فکری ہے۔ حالانکہ کم بولنا ازحد ضروری ہے، اسلئے کہ کثرت کلام کی بدولت ہی کسی کی حکایت، کسی کی شکایت، کسی کی غیبت ہوجاتی ہے، بلکہ مباحات کی کثرت میں بھی کدورت شامل ہوتی ہے، عطارؒ اسی کو فرماتے ہیں۔

دل زپر گفتن بمیرد در بدن، گرچہ گفتارش بود دُرعدن،

(بے ضرورت زیادہ بولنے سے بدن میں موجود دل مردہ ہوجاتا ہے، اگرچہ ظاہری طور پر تیری گفتگو کیسی ہی عمدہ ہو)۔ (صفحہ ۳۰ حصہ چہارم)

وہابی کے لقب سے یاد کرنا

فرمایا، کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے رہتے ہیں اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ہمارے قریب میں ایک قصبہ ہے، جلال آباد، وہاں پر ایک جبہ شریف ہے، جو حضورﷺ کی طرف منسوب ہے، اُسکی

زیارت کے لئے حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا شیخ محمد صاحبؒ جاتے تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے اُسکے متعلق میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی وقت میں زیارت میسر آنا ممکن ہو تو ہرگز دریغ نہ کریں، بتلایئے، یہ باتیں وہابیت کی ہیں۔ (صفحہ۳۲)

قصوں اور جھگڑوں میں پڑنا
عشق و معرفت سے خالی ہونا

فرمایا، فضول جھگڑوں کی فرصت کس کو ہے، ان فضولیات میں تو وہ پڑے، جسے فرصت ہو، ان جھگڑوں میں پڑکر، فرد اپنے ضروری کاموں سے بھی رہ جاتا ہے، ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس جھگڑوں سے بچنے کے لئے ایک عجیب دستور العمل بیان فرمایا تھا کہ اگر کوئی تم سے ناحق مباحثہ یا مناظرہ کرے تو اس مثال پر عمل کرنا کہ ایک نائی سے ایک شخص نے کہا کہ میاں داڑھی کے سفید بال چُن دو، اُس نے اس طرف سے اس طرف تک داڑھی صاف کرکے سامنے رکھ دی اور چل دیئے اور کہا تم خود چنتے رہو، مجھے اتنی فرصت کہاں ہے کہ ایک ایک بال چُنوں اسی طرح تم کرنا، جب کوئی تم سے جھگڑے یا الجھے تو تم سارے قصے اُسکے حوالہ کرکے، اپنے کام میں لگ جاؤ اور ایسا نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اسے کوئی اور کام نہیں، بالخصوص عشق و معرفت سے خالی ہونے کی تو یہ صاف دلیل ہے۔ (صفحہ۳۵)

(انسان کی ایک مزاجی کمزوری جو اس کا خاصہ ہے، جس کا اس کی طرف سے زندگی کے ہر موڑ پر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کی بات اوپر رہے، دوست احباب اور ساتھی اسے دانشور اور فاضل سمجھ کر، اس کے بے مانگے ہوئے مشوروں پر چلیں، اس کا مقصود اپنی شخصیت کو منوانا اور اس کا لوہا تسلیم کروانا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فرد جھگڑالو طبیعت کا واقع ہوا ہے۔ اپنی بات کو ہر قیمت پر اوپر رکھنے کا مطلب، دوسروں کو تابع بنانے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے یہی وہ چیز ہے جو ٹوٹ پھوٹ اور فساد کا موجب ہوتی ہے، دوسروں کے قصوں اور جھگڑوں میں پڑنے کا مرض ایسا ہے، جو فرد کو بیٹھے بٹھائے بے چینی کے

انگاروں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ مفت میں دوسروں کے مسائل اپنے درد سر لیتا ہے۔ اس سے ایک تو قیمتی وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ دوم فرد، فکری انتشار کا شکار ہوتا ہے۔ سوم دوستیوں اور تعلقات کے ٹوٹنے تک نوبت آجاتی ہے۔

جس مزاجی خرابی کے نتیجہ میں فرد کو اتنے خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہو، دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ فرد اس بیماری سے بچنے کے لئے حتی الامکان کوشاں ہو۔ مرتب)

صحبت اہل اللہ کے بغیر انسانیت کا پیدا نہ ہونا

فرمایا، میں تو تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ جب تک اہل اللہ کی صحبت نہ ہو، بزرگی تو کیا، انسانیت بھی نہیں آسکتی اور بزرگی آ بھی جائے، مگر انسانیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ۳۵)

کام کا خالی تدبیروں سے نہیں، بلکہ تائید حق سے ہونا

فرمایا، بدفہم سمجھتے ہیں کہ تدابیر سے کام چل سکتا ہے، میں کہتا ہوں کہ خالی تدبیروں سے کام نہیں چل سکتا، کام تو تائید حق سے ہوتا ہے، اس کا انحصار اطاعت اور فرمانبرداری پر ہے، باغیوں، سرکشوں اور نافرمانوں کیساتھ تائید حق نہیں ہوا کرتی، یہی وجہ ہے کہ اس وقت کسی کام میں بھی برکت نصیب نہ ہوئی، اور جہاں ایسے ایسے راہبر اور پیشوا ہونگے، یہی نتیجہ ہوگا۔ (صفحہ۳۸)

(زندگیوں کو درست کئے بغیر اور اسلامی شریعت پر استقامت اور اخلاص سے چلے بغیر اللہ کی مدد کی امید رکھنا یا معاشرہ اور ریاست میں تبدیلی کی امید رکھنا غلط ہے، ایسا ہونا ممکن نہیں۔ مرتب)

بعض باطنی امراض کا سخت مجاہدوں کا متقاضی ہونا

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا تھا، امراض باطنی کے متعلق لکھا تھا کہ فلاں مرض ہے، اُس کا سہل علاج بتادیجئے، میں نے لکھدیا ہے کہ طالب کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سہولت کی درخواست کرے، اس پر فرمایا کہ لوگ مجاہدوں سے گھبراتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر عاشق ہوجائے اور وہ عورت میلاپ کی کچھ شرائط بتائے اور اُس پر عاشق کہے کہ اگر ملنا چاہو تو سہولت سے ملجاؤ، ورنہ جانے

دو تو کیا یہ عاشق کہلائے جانے کے قابل ہے، نیز ایسی درخواست کرنا خلاف ادب بھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ شیخ سے تعلیم حاصل کرنا مقصود نہیں، بلکہ اُلٹی شیخ کو تعلیم دینا مقصود ہے، یہ شخص شیخ کو شیخ ہی نہیں سمجھتا، کیونکہ جس شخص کو اتنی بھی خبر نہ ہو کہ اس تعلیم سے طالب پر مشقت ہوگی، وہ شیخ ہی کب ہے، شیخ تو شفقت کی بناء پر خود ہی سہل علاج تجویز کرتا ہے، مگر ضرورت کے موقع پر خود شیخ بھی مجبور ہوجاتا ہے، کیونکہ بعض امراض کا ازالہ سخت مجاہدات ہی سے ہوتا ہے، جیسے بعض جسمانی امراض میں طبیب مجبور ہے کہ بغیر شاہترہ اور چرائتہ گلو اور بیخ خنطل کے سوداویت کا علاج مشکل ہوتا ہے بہرحال طالب کو حق نہیں کہ وہ سہولت یا سختی کی درخواست کرے، جیسے مریض کو حق نہیں کہ طبیب کے پاس جاکر کہے کہ ایسا نسخہ تجویز کردیجئے، جو میٹھا ہو، کڑوا نہ ہو، اگر ایسا کرے گا تو طبیب کیا خاک علاج کرے گا۔ (صفحہ ۳۹۔۴۰)

دو گناہوں کا قلب کی نورانیت کو برباد کرنا

فرمایا، آج کل لوگ گناہوں پر بڑے دلیر ہیں، جو نہایت ہی خطرناک بات ہے، بعض گناہوں میں لوگ زیادہ مبتلا ہیں اور اُن کو ہلکا سمجھتے ہیں، مثلاً بدنگاہی ہے، اس میں عوام تو کیا خاص لوگ بھی مبتلا ہیں، یہاں پر خواص سے مراد جاہل درویش اور مدعیان محبت رسول ہیں، جو بدعات کے حامی ہیں اور مولود مروجہ کی مجالس میں نوعمر لڑکوں کو ساتھ رکھتے ہیں، معلوم بھی ہے کہ یہ مرض کتنا بڑا مہلک ہے اور اللہ کے قہر اور غصہ کو بھڑکانے والا ہے۔ یہ بدنگاہی نہایت سخت اور خبیث فعل ہے، ایک شخص نے کسی بزرگ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا، کیا حال ہے، کہا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس گناہ کا بھی اقرار کروگے، ہم اسے معاف کردینگے، میں نے سب گناہوں کا اقرار کرلیا، مگر ایک گناہ کا اقرار کرتے شرم آئی، اسلئے وہ ابتک معاف نہیں ہوا، وہ گناہ یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک نوعمر لڑکے کو بدنگاہ سے دیکھ لیا تھا، بس اُس کا اقرار کرنا، میرے لئے مشکل ہورہا ہے، اسلئے کہ اس خبیث گناہ کا اقرار خدا کے سامنے کرتے ہوئے شرم دامنگیر ہے، ہمت نہیں، کس منہ سے اقرار کروں کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے، بس اُس کے عذاب میں مبتلا ہوں اور یہ

عذاب میرے لئے سہل ہے، اس سے کہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے اس گناہ بدنگاہی کا اقرار کروں، واقعی یہ بدنگاہی ایسی ہی سخت بلا ہے، اہل فن نے لکھا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں، جو قلب کا ستیاناس کرنے والی ہیں اور نورانیت کو برباد کرنے والی ہیں، ایک غیبت اور دوسری بدنگاہی، مگر آج کل یہی دونوں چیزیں لوگوں میں زیادہ ہوگئی ہیں۔ (صفحہ ۴۰)

آج کل کے مشائخ میں تسخیری عمل کا رجحان
یہ رجحاں شان عبدیت کے منافی اور مخلوق پرستی ہے

فرمایا، انبیا کرام کو بدقسموں نے کیا تھوڑا ستایا، مگر ان حضرات کی کیا شان تھی، اللہ اکبر کہ اذیتیں سہیں، تکالیف برداشت کیں، مگر حق تعالیٰ سے تسخیر وغیرہ کی تدبیر کی درخواست نہیں کی، کیا ٹھکانا ہے، اس ظرف کا، یہ اُن حضرات ہی کی شان تھی اور یہ شان اور کس کی ہوسکتی ہے، آجکل تسخیر کے عمل مشائخ تک پڑھتے ہیں یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اور اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اپنی پرستش کرانا مقصود ہے، جو شان عبدیت کے بالکل خلاف ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے، جس پر ان کا عمل تھا کہ واصبر علی ما اصابک (جو مشکل پیش آئے، اس پر صبر کرنا) میں نے ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے کہ جس سے موکل تابع ہوجائیں، فرمایا کہ عمل تو ہے، مگر کیا دنیا میں عبد بننے کیلئے آئے ہو یا خدا بننے کیلئے، اس روز سے طبیعت میں ان عملیات سے اس قدر کراہت پیدا ہوگئی کہ ایسی باتوں کے ذکر سے بھی طبیعت مکدر ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۴۳)

(اوراد کو معمول بنانا اگرچہ نیکی کا کام ہے، لیکن اوراد کو لوگوں کی تسخیر کے مقصد کے لئے استعمال کرنا، یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔ بعض اوراد میں یہ تاثیر موجود ہے کہ اس کی وجہ سے لوگ اس فرد کی طرف کھنچے ہوئے آنے لگتے ہیں۔ اس طرح مریدوں اور معتقدوں کا غم غفیر ملنے لگتا ہے۔ اور دولت بھی آنا شروع ہوجاتی ہے، اوراد کے ذریعہ تسخیر کرنے کا کام جو بھی سرانجام دے گا، اس کے لئے ظاہری فتوحات کا تو دروازہ کھل جائے گا، لیکن اس سے عبدیت کی راہ سلب ہونے کا خطرہ ہے۔ مولانا نے اس ملفوظ میں اوراد کو تسخیر کا ذریعہ بنانے والوں کی نشاندہی کرکے

ہمارے لئے اشتباہ کی صورت پیدا کردی ہے۔ مرتب)

اتباع سنت کے حامل صاحب حال

فرمایا، اپنے سلسلہ میں پہلے بھی صاحب حال گذرے ہیں اور اب بھی ہیں، مگر جو حال سنت کے اتباع سے پیدا ہوتا ہے، اُسکی شان ہی جُدا ہوتی ہے، ہمارے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں، خورجہ کے رہنے والے ہیں، وہ بڑے صاحب حال ہیں، ہمیشہ اُچھلتے کودتے رہتے ہیں، اپنے حضرات کے عاشق ہیں، دیکھ کر یا نام سُن کر لوٹنے پوٹنے لگتے ہیں، مگر چونکہ متبع سنت ہیں، اُن کے حال کی یہ شان ہے کہ عین نماز کے وقت بالکل دُرست ہوجاتے ہیں، کبھی نماز میں تڑپنا چیخنا نہیں سُنا گیا، حتیٰ کہ آہ تک بھی نہیں نکلتی، یہ اتباع سنت ہی کی تو برکت ہے۔ (صفحہ۴۴)

دوسروں سے زیادہ اپنا احتساب کرنا

فرمایا، اولاد سے انسان کو کتنی زیادہ محبت ہوتی ہے، مگر پھر اُس کو مارتا کیوں ہے، کیا مارنے پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کو اولاد سے محبت نہیں، بلکہ محبت مارنے کا سبب ہے، اسی طرح میں نے جو یہ طرز اختیار کیا ہے، آخر اسمیں میرا کیا فائدہ ہے، یہ محض دوسروں کی اصلاح کی وجہ سے ہے، پھر اس کو شفقت اور محبت کے خلاف کیوں سمجھا جائے اور ایک بات سن کر آپ کو تعجب ہوگا، مگر چونکہ وہ خدا کی ایک نعمت ہے، اس لئے اس کا ذکر کرتا ہوں، وہ یہ کہ میں اپنا بھی احتساب کرتا ہوں، بلکہ یہ کہنا سچ ہوگا کہ دوسروں سے زیادہ اپنا احتساب کرتا ہوں، یہ خدا کا بڑا فضل ہے، جو مصداق ہے اس کا ''ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم'' اور الحمدللہ اپنی کوتاہیاں خود سمجھ میں آجاتی ہیں، شیخ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ (صفحہ۵۴)

نسبت کے لئے محض ذکر کافی نہیں

فرمایا، آجکل ناواقفیت کی وجہ سے تصوف کو سمجھنے میں بکثرت غلطی ہوتی ہے، لوگ کثرت ذکر وملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں، جو سخت غلطی ہے اور یہ نسبت ایسی ہی ہے، جیسے ایک شخص سے دریافت کرنے پر اس شخص نے کہا تھا کہ میں

شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں، اُس نے دریافت کیا کہ کیا انتظام ہوا ہے، کہا کہ نصف انتظام تو ہوگیا ہے، نصف باقی ہے، وہ یہ کہ میں تو راضی ہوں، وہ راضی نہیں، یہ شعر بالکل اس کے حسب حال ہے۔

وقوم یدعون وصال لیلی   ولیلی لاتقرلھم بذاک

(لوگ لیلیٰ کے وصل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر لیلی وصل کا اقرار نہیں کرتی)۔

نسبت اسے کہتے ہیں، جو دونوں طرف سے ہو، جس کی حقیقت یہ ہے کہ عبد کی طرف سے ذکر اور اطاعت ہو اور اللہ کی طرف سے رضاء ہو، یہ ہے نسبت، نہ کہ محض ذکر، جو رضا کے لئے کافی نہیں، صاحب نسبت ہونے کی علامت یہی ہے، ایک بزرگ کو نماز میں لذت کے متعلق چالیس سال تک یہ دھوکہ رہا کہ یہ نماز کا نشاط ہے، چالیس سال کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حرارت عزیزیہ کی لذت تھی، جو بڑھاپے میں نہ رہی، اس لئے اس راہ میں شیخ کامل کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ (صفحہ۵۵)

(اس نکتہ سے بہت ساری غلط فہمیاں دور ہوجاتی ہیں کہ نسبت محض ذکر میں مداومت کا نام نہیں، بلکہ نسبت میں اللہ کی رضا کا شامل ہونا ضروری ہے۔ جو اللہ ورسول کی استقامت واخلاص کے ساتھ اطاعت سے وابستہ ہے، ذکر اگر اطاعت کے ملکہ کو مستحکم کرے تو ذکر میں ایسے دوام ہی کو صحیح معنیٰ میں نسبت کہتے ہیں، ورنہ ایسے بے دین صوفی بھی موجود ہیں، جنہیں ذکر کا ملکہ تو حاصل ہے، لیکن شریعت ندارد۔ مرتب)

سلوک، نفس کے تقاضے کو مغلوب کرکے شریعت کے تابع کرنا ہے

فرمایا، راہ سلوک میں اصلاح، زندگی بھرکا روگ ہے، عمر بھر یہی سلسلہ رہتا ہے، مگر لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں دنیا ہی میں جنت حاصل ہوجائے، یہاں تو مشقت لازم ہے اور جس قدر مشقت ہوگی، اتنا ہی اجر بھی بڑھے گا، وہ مشقت یہ ہے کہ ہرقدم پر نفس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر نفس کے ساتھ مقابلہ نہ ہوتو پھر انسان کا کمال ہی کیا ہوگا، یعنی شر کا جو داعیہ وتقاضا طبعی ہوتا ہے، اُس کی مخالفت کرنا اور اُس کو عقل سے مغلوب کرنا، یہی مجاہدہ اور مشقت ہے، باقی محض وسوسے کوئی چیز

نہیں، جب تک اُس کے تقاضا پر عمل نہ ہو، عقل کا کام صرف منفعت کو دکھانا ہے، اس کے بعد اتباع کرنا، یہ طبیعت کا کام ہے، جس نے نفس کا اتباع کیا، وہ حیوان ہے اور اگر اتباع کیا عقل کا تو وہ انسان ہے، مگر خود عقل کے اتباع کے بھی حدود ہیں، ورنہ حدود سے آگے غلو کرنے سے یہ عقل خود حیوانیت کے غلبہ کا سبب ہوجاتی ہے، اس لئے کہ جو چیز حد سے گذرجاتی ہے، اُس کی حقیقت اور اُس کی خاصیت سب بدل جاتے ہیں، اب ایک بات اور رہ گئی ہے، وہ یہ کہ نفس کیلئے بعض اوقات لوگوں کی تنقید عمل میں رکاوٹ ہوجاتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی یہ تنقید خود اصلاح کا ذریعہ ہے، اس سے تو مجاہدات اور ریاضات میں زیادہ برکت اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے، یہ بدنی مجاہدات سے بھی زیادہ مجاہدہ ہے، غرض کہ یہ ساری رکاوٹیں ہیں، نفس کو بچہ کی طرح بہلانا اور سمجھانا چاہئے، یہ اُس وقت کام دیتا ہے، اس بہلانے پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ وہ شب کو ایک رکابی پلاؤ کی بھر کر سامنے مصلے پر رکھ لیتے اور ہر دفعہ میں فرماتے کہ اب کی مرتبہ دو نفلیں پڑھ کر تجھے کھلاؤں گا، ساری رات اسی طرح عبادت میں گذرجاتی اور صبح کو وہ رکابی پلاؤ کی بدستور موجود رہتی، مگر یہ بھی اُن حضرات کے نفس تھے، جو روزانہ بہلانے میں آجاتے تھے، اب تو کوئی کرکے دیکھے، ایک دن تو نفس مان لے گا یا زیادہ سے زیادہ دو دن، پھر تیسرے روز قبضہ میں آنا مشکل ہوگا، یوں کہیگا کہ بس تمہارے وعدوں کا تجربہ کرچکا، اب قابو میں نہ آؤنگا۔ (صفحہ ۶۲)

کبھی ذکر ہو، کبھی نہ ہو اسی کو دوام سمجھ لو

فرمایا، ہمارے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر کبھی ذکر وشغل ہو، کبھی نہ ہو تو اس ہونے نہ ہونے پر دوام سمجھ لو، یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے، مگر یہ حقیقت نہیں، بلکہ تدابیر ہیں، اصل چیز طلب اور ہمت ہے، اُس سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اور یہ تدابیر، حیلے ہیں اور کام لینے کے بہانے ہیں۔ (صفحہ ۶۲)

(واضح ہو کہ مبتدی ومتوسط طالب اپنی ساری کوششوں کے باوجود ذکر کے تسلسل اور اس کے معمولات کو پوری طرح قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوپاتا، کبھی

تو روزمرہ کے ذکر کے سارے معمولات بہت خوبی سے سرانجام ہوتے ہیں اور کبھی برائے نام ذکر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے طالب عرصہ تک بے تابی کے انگاروں پر لیٹنے لگتا ہے۔ یہ نکتہ ایسے طالبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اہم نکتہ ہے۔ مرتب)

سلوک میں چلنے والے کو اہم نصیحتیں

فرمایا، جب انسان ارادہ کرتا ہے تو سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہوجاتا ہے اور درمیان کی ساری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں، پھر اُس کام کے ہرجزو میں ارادہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جیسے کوئی شخص بازار جانے کا ارادہ کرے تو پہلا قدم اُٹھانے پر تو ارادہ کی ضرورت ہوگی، آخر تک ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی تو وہی پہلا ارادہ کافی ہوتا ہے، ورنہ اگر ہر قدم پر مستقل ارادہ کرے تو صبح سے شام تک بھی بازار کا راستہ طے نہ کرسکے گا، خلاصہ یہ ہے کہ طالب کو کام شروع کردینا چاہئے اور یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ کچھ حاصل بھی ہوا یا نہیں، جیسے چکی پیسنے والی عورت اگر چکی کے ہر پھیر پر یہ دیکھے کہ کتنا آٹا کس قدر پس چکا تو بس آٹا پس چکا، اس کی صورت تو یہی ہے کہ غلہ ڈالا جائے اور چکی کو گھمایا جائے، جب وہ صبح کو دیکھے گی تو چکی کا گرنڈ یعنی مخزن آٹے سے بھرا پائیگی، غرض کہ کام کرنا چاہئے اور اس بات پر تیار چاہئے کہ چاہے کچھ ہو یا نہ ہو اور عمل بھی، خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو، اس کی طرف نظر ہی نہ کی جائے، کام شروع کردے، اس وقت ایک اور بات کام کی ذہن میں آئی ہے، وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہیوں کو بھلا دینا چاہئے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسی ہی کوتاہی ہوگی، اس سے طالب کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، نیز اگر کام کے دوران کوئی لغزش ہوجائے یا کوئی نامناسب بات ہوجائے تو اُس کا مراقبہ نہ کیا جائے بس دل سے ''اللھم اغفرلی'' کہہ کر آگے چلا جائے ، ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا، اُس طرف کا تو مشاہدہ پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات یہ کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قلیل ذکر وفکر ہی کی توفیق حاصل ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اُس کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے، مثلاً طالب یہ خیال کرے کہ آج کی

نہیں، جب تک اُس کے تقاضا پر عمل نہ ہو، عقل کا کام صرف منفعت کو دکھانا ہے، اس کے بعد اتباع کرنا، یہ طبیعت کا کام ہے، جس نے نفس کا اتباع کیا، وہ حیوان ہے اور اگر اتباع کیا عقل کا تو وہ انسان ہے، مگر خود عقل کے اتباع کے بھی حدود ہیں، ورنہ حدود سے آگے غلو کرنے سے یہ عقل خود حیوانیت کے غلبہ کا سبب ہوجاتی ہے، اس لئے کہ جو چیز حد سے گذرجاتی ہے، اُس کی حقیقت اور اُس کی خاصیت سب بدل جاتے ہیں، اب ایک بات اور رہ گئی ہے، وہ یہ کہ نفس کیلئے بعض اوقات لوگوں کی تنقید عمل میں رکاوٹ ہوجاتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی یہ تنقید خود اصلاح کا ذریعہ ہے، اس سے تو مجاہدات اور ریاضات میں زیادہ برکت اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے، یہ بدنی مجاہدات سے بھی زیادہ مجاہدہ ہے، غرض کہ یہ ساری رکاوٹیں ہیں، نفس کو بچہ کی طرح بہلانا اور سمجھانا چاہئے، یہ اُس وقت کام دیتا ہے، اس بہلانے پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ وہ شب کو ایک رکابی پلاؤ کی بھر کر سامنے مصلے پر رکھ لیتے اور ہر دفعہ میں فرماتے کہ اب کی مرتبہ دو نفلیں پڑھ کر تجھے کھلاؤں گا، ساری رات اسی طرح عبادت میں گذرجاتی اور صبح کو وہ رکابی پلاؤ کی بدستور موجود رہتی، مگر یہ بھی اُن حضرات کے نفس تھے، جو روزانہ بہلانے میں آجاتے تھے، اب تو کوئی کرکے دیکھے، ایک دن تو نفس مان لے گا یا زیادہ سے زیادہ دو دن، پھر تیسرے روز قبضہ میں آنا مشکل ہوگا، یوں کہیگا کہ بس تمہارے وعدوں کا تجربہ کرچکا، اب قابو میں نہ آؤنگا۔ (صفحہ ۶۲)

کبھی ذکر ہو، کبھی نہ ہو اسی کو دوام سمجھ لو

فرمایا، ہمارے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر کبھی ذکر وشغل ہو، کبھی نہ ہو تو اس ہونے نہ ہونے پر دوام سمجھ لو، یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے، مگر یہ حقیقت نہیں، بلکہ تدابیر ہیں، اصل چیز طلب اور ہمت ہے، اُس سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اور یہ تدابیر، حیلے ہیں اور کام لینے کے بہانے ہیں۔ (صفحہ ۶۲)

(واضح ہو کہ مبتدی ومتوسط طالب اپنی ساری کوششوں کے باوجود ذکر کے تسلسل اور اس کے معمولات کو پوری طرح قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوپاتا، کبھی

تو روزمرہ کے ذکر کے سارے معمولات بہت خوبی سے سرانجام ہوتے ہیں اور کبھی برائے نام ذکر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے طالب عرصہ تک بے تابی کے انگاروں پر لیٹنے لگتا ہے۔ یہ نکتہ ایسے طالبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اہم نکتہ ہے۔ مرتب)

سلوک میں چلنے والے کو اہم نصیحتیں

فرمایا، جب انسان ارادہ کرتا ہے تو سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہوجاتا ہے اور درمیان کی ساری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں، پھر اُس کام کے ہر جزو میں ارادہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جیسے کوئی شخص بازار جانے کا ارادہ کرے تو پہلا قدم اُٹھانے پر تو ارادہ کی ضرورت ہوگی، آخر تک ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی تو وہی پہلا ارادہ کافی ہوتا ہے، ورنہ اگر ہر قدم پر مستقل ارادہ کرے تو صبح سے شام تک بھی بازار کا راستہ طے نہ کرسکے گا، خلاصہ یہ ہے کہ طالب کو کام شروع کردینا چاہئے اور یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ کچھ حاصل بھی ہوا یا نہیں، جیسے چکی پیسنے والی عورت اگر چکی کے ہر پھیر پر یہ دیکھے کہ کتنا آٹا کس قدر پس چکا تو بس آٹا پس چکا، اس کی صورت تو یہی ہے کہ غلہ ڈالا جائے اور چکی کو گھمایا جائے، جب وہ صبح کو دیکھے گی تو چکی کا گرنڈ یعنی مخزن آٹے سے بھرا پائیگی، غرض کہ کام کرنا چاہئے اور اس بات پر تیار چاہئے کہ چاہے کچھ ہو یا نہ ہو اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو، اس کی طرف نظر ہی نہ کی جائے، کام شروع کردے، اس وقت ایک اور بات کام کی ذہن میں آئی ہے، وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہیوں کو بھلا دینا چاہئے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسی ہی کوتاہی ہوگی، اس سے طالب کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، نیز اگر کام کے دوران کوئی لغزش ہوجائے یا کوئی نامناسب بات ہوجائے تو اُس کا مراقبہ نہ کیا جائے بس دل سے ''اللھم اغفرلی'' کہہ کر آگے چلا جائے، ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا، اُس طرف کا تو مشاہدہ پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات یہ کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قلیل ذکر وفکر ہی کی توفیق حاصل ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اُس کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے، مثلا طالب یہ خیال کرے کہ آج کی

دورکعت بھی کیوں چھوڑیں، شاید یہی نجات کا سبب ہوجائے، سو اس طریقے سے کام کرکے دیکھو، پھر دیکھو گے کہ فرق کیا سے کیا ہوتا ہے۔ (صفحہ ۶۴)

(راہ سلوک میں مبتدی طالب کو قدم قدم پر نفس کی طرف سے شدید مزاحمت ہوتی ہے۔ سیکڑوں قسم کے وسوسے گھیرے رہتے ہیں۔ ذکر و مراقبہ میں پابندی ہو نہیں پاتی، اس طرح کے طالبوں کے لئے مولانا کا یہ ملفوظ نہایت حوصلہ افزا ہے۔ مرتب)

نفس کی خرابیوں کو نہ سمجھنے سے ان کا
جواب دہ نہ ہونے کا سوال

فرمایا، نفس کی بہت سی خرابیاں ہیں، جو سمجھ میں نہیں آتی، اگر کوئی کہے کہ پھر فرد اُن کا ذمہ دار ہی نہیں، سو یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ فکر کرنے سے یہ خرابیاں سمجھ میں آتی ہیں، مگر فرد، فکر ہی نہیں کرتا، پس اُس کا سبب بے فکری ہے، اگر فکر ہو تو فرد سب کچھ کر سکتا ہے اور فرد فکر کا ذمہ دار ہے۔ (صفحہ ۸۶)

(نفس کے سلسلہ میں لگ بھگ ہر فرد کی حالت یہ ہے کہ وہ حب جاہ وحب مال، خودنمائی اور مادی حسن پر فریفتگی کے مرض میں مبتلا ہے، چونکہ ان باطنی امراض سے مسلسل غفلت کی وجہ سے ان کی عادت مستحکم ہوگئی ہے، اس لئے ان نفسی بیماریوں کا ادراک سلب ہوگیا ہے، خود احتسابی سے کام لینے اور اندر میں ڈوبنے سے ہی نفس کی ان بیماریوں کا ادراک ہوسکتا ہے۔ مرتب)

بار بار پیسہ گننا حب مال کی علامت کا ہونا

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جمع مال کی مذمت میں عددہٗ فرمایا، جو تکرار کی علامت ہے، عدہٗ نہیں فرمایا، بار بار گننا علامت ہے مال کی لذت اور محبت کی۔ (صفحہ ۸۷)

(اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دل کی ساری توجہات دولت کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں اور دولت کا شمار کرتے رہنے اور اس میں اضافہ کی فکر ساری فکروں پر غالب ہوگئی ہے۔ مرتب)

مجاہدوں سے پہلے فنائے نفس پر زور

فرمایا، جو شخص یہاں اصلاح کے لئے قیام کے ارادہ سے آتا ہے یا طالب علم

مدرسہ میں داخل ہونے کیلئے آتا ہے تو اسے شروع میں یہ وصیتیں کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ کسی سے دوستی کا تعلق قائم نہ کرے گا دوم یہ کہ کسی سے دشمنی اختیار نہ کرے گا، یہاں تو وہ رہ سکتا ہے، جو مردہ ہوکر رہے، یہاں زندوں کا کام نہیں، دوسرے مقامات پر تو مجاہدہ مقدم ہے، فناء نفس پر اور یہاں فناء نفس مقدم ہے مجاہدہ پر۔ (صفحہ ۹۰)

(اس ملفوظ سے یہ تاثر لینا صحیح نہ ہوگا کہ ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر محض تعلیم وتاکید اور وعظ نصیحت سے فرد فنائے نفس کے مقام تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تلقین اور تعلیم سے فرد میں اپنی اصلاح کی فکر راسخ کی جائے اور سختی کے ساتھ اصولوں پر عمل کرانے سے عمل کے اصلاح کی صورت بھی پیدا ہوتی جائے گی، اگرچہ کثرت ذکر کے نور سے نفس کے اندر موجود گندگی کی جو صفائی ہوتی ہے، وہ دوسری چیز ہے، اس کے بغیر نفس کے مہذب ہونے کا عمل مکمل نہیں ہوتا، اس نکتہ کو مولانا نے اپنے دوسرے ملفوظات میں بیان فرمایا ہے)۔

ظاہری فقر وفاقہ سے اہل اللہ کی راحت
باطنی میں فرق کا واقع نہ ہونا

فرمایا، اہل اللہ اور خاصان حق کی شان ہی جُدا ہوتی ہے، اُن کی تکالیف بھی اُن کیلئے راحتِ باطنی کا موجب ہوتی ہیں، اس لئے اُن کی حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرنا بالکل ہی غلط ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں۔

کار پاکاں راقیاس ازخود مگیر گرچہ ماند درنوشتن شیر وشیر

حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر جب فقر وفاقہ ہوتا تو کبھی اُن کی بیوی جو اُن کے پیر کی بیٹی تھیں، کہتیں کہ حضرت اب تو تحمل نہیں، کچھ تو کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہئے تو آپ بیوی کے جواب میں فرماتے، وہ انتظام ہورہا ہے، گھبراؤ مت، وہ دریافت کرتیں، کہاں ہورہا ہے، فرماتے، جنت میں، ماشاء اللہ، وہ بی بی بھی ایسی تھیں کہ جنت کے وعدہ پر اُن کو سکون ہوجاتا تھا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ایمان رہے یا نہ رہے، آمدنی ہو، روپیہ ہو، عیش وعشرت میں کوئی فرق نہ ہونے پائے، چاہے اللہ اور رسول سے تعلقات میں کیسا ہی فرق واقع ہوجائے۔ (صفحہ ۹۲)

آج کل کی درویشی

فرمایا، آج کل کا تقدس اور تقویٰ طہارت اور زہد بی بی تمیزہ کا سا وضوء ہے، جو نہ جنابت سے ٹوٹتا تھا اور نہ بول براز سے، مہینوں ایک ہی وضوء سے نماز پڑھی اور درمیان میں سب کچھ ہوتا رہا، ایسا ہی آجکل کا تقویٰ ہے کہ ایک بار اس کی رجسٹری ہوجائے، پھر اس میں کوئی چیز مخل نہیں ہوتی، پھر لطف یہ ہے کہ اگر اُس بے احتیاطی سے دوسرے متاثر ہونے لگیں اور کوئی خیر خواہ اُن سے کہے کہ حضرت، یہ لوگ آپ کے معتقد ہیں، آپ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں، اس طرح گمراہ ہوتے ہیں، آپ کے لئے احتیاط مناسب ہے تو اس پر جواب ملتا ہے کہ آپ ذاتیات پر حملہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ ذاتیات نہیں ہوتی اور اگر بالفرض ذاتیات بھی ہو، تب بھی حیرت ہے کہ تم تو آیات بنیات اور دینیات پر حملہ کرو اور کوئی تمہاری ذاتیات کو بھی زیر بحث نہ لائے، پہلے سب لوگ متقی نہ ہوتے تھے، مگر اس وقت قلب میں دین کی قدر ہوتی تھی، مگر اب یہی بات ایسی ہے، جو نہیں رہی، اس کی کمی ہوگئی۔ (صفحہ۹۳)

(اس ملفوظ میں حضرت مولانا نے یہ بہت اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ تم تو اسلام اور روح اسلام کو مجروح کرو اور اپنے کلام اور عمل کے ذریعہ اسلام اور سلف کے تسلسل کے خلاف کرو، ہم تمہاری ان حرکتوں پر تنقید کرکے، صحیح اسلامی تعلیم اور سلف کی صحیح راہ متعین کریں تو اسے ذاتیات میں شمار کرو۔

غالی صوفیاء کی غلطیوں کو واضح کرکے لوگوں کو ان کی خلاف شرع حرکتوں سے بچانے کے لئے تنقید کا عمل جو مولانا تھانویؒ نے اختیار کیا ہے، تجدید دین کے اعتبار سے بھی اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، اسے تنقید برائے تنقید میں شمار کرنا حماقت ہے۔مرتب)

اہل حق کی طرف سے دعوتی کام سے غفلت

فرمایا، تعجب ہے کہ اہل باطل کو تو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اہل حق سے تعصب رکھیں، جب کہ اہل حق کو اس بات کی بھی اجازت نہ ہو کہ وہ اپنی مدافعت

کریں، کتنے بڑے ظلم اور اندھیر کی بات ہے، اہل باطل، اپنے مسلک کی اشاعت کا اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ اگر اُسمیں ذرا کمی ہو تو ان کا زندہ رہنا دشوار ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ کی نصرت تو اُن کے ساتھ ہے نہیں، محض ظاہری قوت اور ظاہری سامان پر ان کی مذہبی زندگی کا مدار ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو بس خاتمہ ہے اسی لئے اہل باطل ہمیشہ متفق رہتے ہیں، تدابیر میں مصروف رہتے ہیں، جب کہ اہل حق ہمیشہ اس خیال میں رہتے ہیں کہ اللہ کا دین ہے، وہ خود حفاظت کریں گے، اس لئے وہ زیادہ اہتمام نہیں کرتے، یہ خیال بذات تو صحیح اور مبارک ہے، مگر اس میں ایک بہت بڑی غلطی پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ اس معاملہ میں غلو پیدا ہوگیا ہے، یعنی اس قدر بے پرواہی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ توکل اور استغناء کے درجہ سے آگے بڑھ کر غفلت کی حد تک پہونچ گیا ہے اور یہ استغنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ دیکھکر کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. یعنی ہم قرآن مجید کے محافظ ہیں۔ یہ رائے دے کہ لوگ حفظ کرنا چھوڑ دیں، حالانکہ یہ حکم فرمانا کہ تم حفاظت کرو، یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی تو حفاظت ہے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی حفاظت کا یہ مخصوص اثر ہے کہ تدبیر میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں، ضروری توجہ اور معتدل سعی کافی ہے۔ (صفحہ۹۳)

کچھ تصور شیخ کے بارے میں

فرمایا، تصور شیخ کا مسئلہ کبھی دل کو نہیں لگا، اُس سے طبیعت اُلجھتی ہے، بلکہ اُچٹتی ہے، میں حرمت کا فتویٰ تو نہیں دیتا، یہ تو مولانا شہید رحمتہ اللہ علیہ ہی کا منصب تھا، مگر ایسا جائز سمجھتا ہوں، جیسے اوجھڑی کو جائز سمجھتا ہوں، مگر کھا نہیں سکتا، پس اسی درجہ میں سمجھتا ہوں، تصور شیخ کو، اگرچہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اس کے نافع اور پسندیدہ ہونے پر بڑا زور دیا ہے، مگر میں فطری چیز کو کیا کروں۔ (صفحہ۹۴)

(تصور شیخ کے بارے میں حضرت مجددؒ اور مولانا تھانویؒ کی تصریحات کے بعد مجھ جیسے مبتدی طالب کے لئے کچھ عرض کرنا اگرچہ ایک اعتبار سے گستاخی کے ضمن میں آتا ہے، تاہم جدید افراد، جو تصور شیخ جیسی چیزوں کی وجہ سے

تصوف واہل تصوف سے بدظن وبدگمان ہے، ان کے لئے یہ نکتہ بیان کرنا ضروری ہے کہ طریقت میں تصور شیخ کی حیثیت حکمت عملی کی سی ہے کہ جب فکری انتشار طالب کے لئے ذکر کی راہ میں سخت رکاوٹ ہوتا ہے تو اس وقت طالب سے کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ روحانی استاد کا تصور کرے، یہ چیز فکری انتشار کو کم کرکے ذہن اور دل کو ذکر کے سلسلہ میں یکسو کرنے میں غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوتی ہے۔ باقی شیخ تصور کو حکمت عملی سے بڑھاکر مقاصد کے درجہ میں شامل کرنا اس کے فوائد کم نقصانات زیادہ ہیں۔ مرتب)

جدید تحریکوں سے ذہنوں اور مزاجوں کے تبدیل ہونے کا المیہ

فرمایا، تحریکات حاضرہ کے نتیجہ میں جو انقلاب آیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے، یہ تو اس وقت کی حالت ہے، جب مقصد میں ناکامی ہوئی، اگر سوراج مل جاتا اور کامیابی حاصل ہوتی، اس وقت دیکھتے کہ دین کا کیا حشر ہوتا اور عوام بیچارے کس شمار میں ہیں، علماء تک ان اثرات کی زد میں اور حدود سے آگے بڑھ کر آزاد ہو گئے ہیں، گمراہی زیادہ انہی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے کہ یہ لوگ مقتدا اور پیشوا سمجھے جاتے ہیں تو ان کا اثر ہونا تو ضروری تھا، ایک مشہور عالم نے سہارنپور میں اپنے وعظ میں بیان کیا کہ بعض لوگ خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، کہتے ہیں کہ اگر سوراج مل گیا تو ہندو، مسجدوں میں اذان نہ ہونے دیں گے تو صاحبو، کیا بلا اذان کے نماز نہیں ہوسکتی اور کہتے ہیں کہ مساجد میں نماز نہ پڑھنے دیں گے تو صاحبو، کیا گھر میں نماز نہیں ہوسکتی اور کہتے ہیں کہ گائے کی قربانی نہ ہونے دیں گے تو کیا بکرے کی قربانی نہیں کرسکتے، کیا گائے کی قربانی فرض وواجب ہے، یہ واعظ اور عالم کہلاتے ہیں، اتنی بات کہنے کی اور رہ گئی کہ اگر وہ اسلام پر نہ رہنے دیں گے تو کیا غیر اسلام پر رہ کر زندہ نہیں رہ سکتے، ذرا ذہنیت تو دیکھیے کہ جو ہندو چاہیں گے، اُس کو گوارا کرلیں گے۔ اس درجہ تک نوبت پہونچ چکی ہے۔ اللھم احفظنا۔ (صفحہ ۹٦)

(جدید دور کی تحریکوں نے اتنا بگاڑ پیدا کرلیا ہے کہ آزادی، انقلاب اور سامراج دشمنی کے نام پر سیکولرزم اور قومیت کا غلبہ ہوگیا ہے۔ آزادی سے پہلے اہل

علم کا ایک بڑا طبقہ دیندار ہونے کے باوجود بُری طرح سیکولرزم کے زیر اثر ہوگیا تھا جس کے ایک مذہبی طبقہ میں اب بھی اثرات موجود ہیں۔ حضرت مولانا نے اس طرح کے سارے رجحانات کی سخت مخالفت کرکے حق گوئی کی مثال قائم کردی تھی۔ مرتب)

جانور میں عقل کا ہونا

فرمایا، میں تو وثوق کے ساتھ کہا کرتا ہوں کہ جانوروں میں بھی عقل موجود ہے، مگر اتنی نہیں، جس سے وہ احکام کے ذمہ دار ہوں، میرے اس دعوے کے ثبوت میں اس کثرت سے واقعات ہیں کہ مجبور ہوکر ماننا پڑتا ہے کہ جانوروں میں بھی ضرور عقل ہے۔ (صفحہ ۹٦ جلد چہارم)

اہل اللہ کا دلوں پر حکومت کرنا

فرمایا، آج کل تو دہریت اور نیچریت کا پورا غلبہ ہے، دلوں میں اس کا ایسا زہریلا اثر ہوا ہے کہ کسی امتی کا کیا احترام ہوگا، خود حضور ﷺ کی عظمت بھی قلوب سے نکلتی جارہی ہے، حالانکہ حضور کی عظمت اور محبت پر ہی مقصود وابستہ ہے، صحابہؓ کرام کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے عاشق تھے، اُن کے قلوب، اللہ اور رسول کی محبت وعظمت وخشیت سے پُر تھے، اب بھی جہاں بھی دین کا کام ہوتا ہے، وہ اہل اللہ کی محبت سے ہی کام ہوتا ہے، جس کی بدولت دلوں پر ان حضرات کی حکومت قائم ہے، بخلاف ظاہری حکمرانوں کے کہ اُن کی حکومت محض جسم پر ہوتی ہے، لوگ محض حکومتی طاقت سے ان کے محکوم ہوتے ہیں، بخلاف اہل اللہ کے خدام اور محکومین کے کہ اُن کی شان ہی جُدا ہوتی ہے، اُن سے جو کہہ دیا جاتا ہے، دل سے کرتے ہیں، کسی کام اور کسی بات سے انکار نہیں، اطاعت کی یہ حالت رسم پرستوں اور ظاہر پرستوں سے کبھی قیامت تک نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ ۹۷، جلد چہارم)

شیخ کے لئے اوسط درجہ کا لباس ہونا

فرمایا، ایک دوست حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے آپ کے لئے چالیس روپیہ گز کا کپڑا منگایا ہے، میں نے ایک لطیف عذر کے ساتھ نامنظور کردیا ہے، عذر یہ لکھا ہے کہ میرا جو فرض منصبی ہے، یعنی تعلیم دین کا سلسلہ، اُس کا زیادہ تر

تعلق مسکینوں سے ہے، اس لئے ایسی وضع سے رہنا چاہئے، جس سے غریب مرعوب نہ ہوں، تاکہ وہ بے تکلف استفادہ کرسکیں، اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ معمولی حالت میں رہوں اور آپ حکیم ہیں، آپ کے لئے ظاہری شان وشوکت مناسب ہے، کیونکہ آپ کا اکثر تعلق امراء سے ہے، اسلئے چالیس روپیہ گز کا کپڑا پہننا، آپ کے لئے مناسب ہے، اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو خوامخواہ بیٹھے بٹھائے تکلف کی ایسی باتیں سوجھتی ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ فرد صاف تو رہے، مگر زیب وزینت اور تکلف نہ ہو، بس میلانہ ہو، پسینے کی بو نہ ہو، اعتدال کی یہ حالت ایسی ہے، جو صحبت کے بغیر میسر ہونا مشکل ہے، باقی فرد اگر بڑا بننے کے ارادہ کے بغیر نہیں اچھا لباس پہن لے تو کچھ حرج نہیں اور اگر نفس امتیاز چاہے تو تواضع کے لباس میں بھی امتیاز ہوسکتا ہے، کہ بڑے ہی بے نفس ہیں۔ میں اس لئے اوسط درجہ کا کپڑا پہنتا ہوں، تاکہ کسی قسم کا امتیاز نہ ہو۔ (صفحہ۱۰۶)

(شیخ جو دراصل اہل اللہ ہوتا ہے، اس کی زندگی سادگی کا مجسمہ ہوتی ہے، تاکہ انہیں دیکھ کر ان سے وابستہ افراد پر سادہ زندگی گذارنے کا رنگ غالب ہوسکے۔ مرتب)

اکثر خرابیوں کا تعلقات بڑھانے سے پیدا ہونا

فرمایا، اکثر خرابیاں تعلقات بڑھانے سے ہوتی ہیں، ان کو کم کرنا چاہئے، میں نے تو صرف ایک تعلق کو مستثنیٰ کیا ہے، یعنی تصنیف کے کام کو کہ اس سے اپنے آپ کو بھی نفع ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہونچتا ہے، اسی لئے علماء کا قول ہے کہ لمبی لمبی امیدیں باندھنا، ہر چیز میں بُرا ہے، مگر علم میں، یہ استثناء اس لئے ہے کہ یہ دین کا ذریعہ ہے اور لمبی امیدیں غفلت کے آلات ہیں، نیز علم، ذکر اللہ میں معاون ہے، جو کہ راہ سلوک کا مقصود ہے اور اپنے قویٰ کو دیکھ کر کچھ روز سے یہ بھی چاہ رہا ہوں کہ تصنیف بھی بند کردوں۔ مگر میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اگر ذکر کے لئے بھی قلب خالی نہ ہو اور تصنیف بھی نہ رہے، اگر ایسا ہوا تو اور کچھ اعمال تو ہیں نہیں، شاید یہی عمل قبول ہوجائے کہ تصنیف سے کوئی نیک بندہ فائدہ اٹھالے اور وہی ذریعہ نجات ہوجائے، اس وجہ سے میں اپنے لئے اس کام کو ذکر سے افضل سمجھتا

ہوں، اگرچہ فی نفسہ افضل تو ذکر ہی ہے۔ (صفحہ۱۰۸)

(اہل اللہ، چونکہ اللہ کے ذکر کی حلاوت سے لذتیاب ہوتے ہیں، اس لئے ان کا دل دوسرے کاموں کی طرف کم ہی متوجہ ہوتا ہے، چونکہ افراد کی تربیت کا کام ان کے سپرد ہوتا ہے، اس لئے ضرورت کی حد تک اس کام میں مشغولیت کے بعد وہ متوجہ الی اللہ کی حالت میں رہنے ہی کو سعادت دارین سمجھتے ہیں۔
اس ملفوظ سے حضرت مولانا کی اس حالت قلبی کی عکاسی ہوتی ہے۔ مرتب)

قرض کی ادائیگی کا وظیفہ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ میں قرضدار ہوں، دعا فرمادیجئے اور کچھ پڑھنے کو بتادیجئے، فرمایا کہ یا مغنی بعد نماز عشاء گیارہ سو بار پڑھا کرو، اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف، یہ عمل حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ (صفحہ۱۰۸)

مشائخ کی امراء سے دولت کی خاطر تعلق رکھنے کی روش

فرمایا، ہمارے حیدرآبادی ماموں صاحب، تھے تو ہمارے مسلک کے خلاف، غالی صوفی تھے، مگر دکاندار صوفی نہ تھے، اُن کی باتیں اکثر بڑی حکیمانہ ہوتی تھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ حیدرآباد دکن کے امراء تو جنتی ہیں اور وہاں کے مشائخ دوزخی، اس لئے کہ امراء کا مشائخ سے تعلق وہ محض اللہ کے لئے ہوتا ہے، جب کہ ان مشائخ کا امراء سے تعلق دنیا کے واسطے سے ہوتا ہے، واقعی بڑے کام کی بات فرمائی، ایسا ہی ہورہاہے، ایک ایسے ہی مُرید نے اپنے ایسے ہی پیر سے خواب بیان کیا کہ حضرت رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میری اُنگلیاں تو گندگی میں بھری ہیں اور آپ کی شہد میں، پیر صاحب سُن کر آپے سے باہر ہوگئے کہ ٹھیک تو ہے تو دنیا کا کتا ہے، تیری حالت کی یہی مثال ہے، جیسے گندگی اور ہم اللہ والے بزرگ ہیں، ہماری حالت کی مثال شہد کی سی ہے، مُرید کوئی بڑا ہی مسخرہ اور ظریف تھا، کہنے لگا کہ حضرت نے تعبیر میں جلدی فرمائی، ابھی خواب پورا نہیں ہونے پایا، فرمایا کہ بیان کرو، آگے باقی کیا ہے، اُس نے کہا کہ یہ بھی دیکھا کہ آپ کی اُنگلیاں تو میں چاٹ رہا ہوں اور میری اُنگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں، بس پھر تو پیر صاحب گم ہوگئے، تعبیر وغیرہ سب ختم ہوگئی۔

اب یہ خواب واقعی ہو یا نہ ہو، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس حکایت میں معاملہ کی حقیقت ظاہر ہوگئی کہ ہم تم سے دین کی وجہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو مثل شہد کے ہے اور تم ہم سے دنیا کی وجہ سے تعلق رکھتے ہو، جو مثل گندگی کے ہے اور ان عوام بیچاروں کی اتنی خطا نہیں، ان کے اخلاق تو خوشامد کر کر کے خراب کئے گئے ہیں، ورنہ وہ پھر بھی ان پیروں سے زیادہ محل کو سمجھتے ہیں۔ (صفحہ۱۱۴)

(راہ عشق ومحبت اور اللہ کے نام کو دنیاوی رونق اور مال ومتاع کی خاطر استعمال کرنا، یہ بڑے خسارہ کا سودہ ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ مرتب)

عبدیت پیدا ہوئے بغیر خسارہ ہی خسارہ ہے

فرمایا، اگر انسان میں عبدیت پیدا ہوجائے تو وہ انسان ہے، ورنہ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے "بل ھم اضل" (بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں) میں اس کی تصریح ہے، اسی کے متعلق مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر بصورت آدمی انسان بُدے   احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

(اگر ظاہری صورت سے آدمی انسان بن جاتا۔ تو حضور اقدس ﷺ۔ اور ابوجہل یکساں ہوتے)۔

انسانیت حقیقی یہی ہے کہ عبدیت ہو، فنا ہو، انکسار ہو، عجز ہو، کیونکہ یہ سب علامات ہیں، عبد کامل کی، اگر اس راہ میں چل کر بھی یہ باتیں نہ پیدا ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ طالب بالکل محروم اور ناکام ہے، کیونکہ محض ظاہری صورت اور لحم وپوست کو آدمیت سے کیا تعلق۔ (صفحہ۱۱۵)

(راہ سلوک میں طالب صادق کی سب سے بڑی علامت ہی یہی ہے کہ وہ اپنے علم، اپنے معارف، اپنی ریاضتوں وغیرہ کو ہیچ در ہیچ سمجھنے لگتا ہے، اللہ کی شان عظمت کے غلبہ کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر طالب میں یہ چیز موجود نہیں۔ علم، بزرگی اور اپنے معارف کا دعویٰ موجود ہے تو گویا وہ محروم ہی ہے۔ مرتب)

عبدیت کی کچھ علامتیں

فرمایا عبدیت بڑی چیز ہے، جس کی بعض علامتیں یہ ہیں کہ جس وقت عبدیت

کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت فرد اس چیز کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے بھی غیرت محسوس کرتا ہے، اسلئے کہ اس نسبت میں ظاہرا دعوے کی شان معلوم ہوتی ہے۔ اسی عبدیت کی بدولت فنا وانکسار وعجز پیدا ہوتا ہے، طالب میں ہر وقت ایک احتیاج کی سی کیفیت غالب رہتی ہے، جو عین مقصود اور مطلوب ہے، شیخ، طالب میں اسی کیفیت کے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس سے دعوے کی سی شان جاتی رہے، کیونکہ تجربہ ہے کہ بغیر مؤثر کے اثر میں استحکام نہیں ہوتا۔ (صفحہ۱۱۵)

(طالب میں عبدیت کا غلبہ اور اس کا کمال غیر معمولی ریاضتوں اور نفس کی قوتوں کو مسلسل آتش عشق میں جلانے کے بعد کہیں جاکر ہوتا ہے۔ جب یہ حاصل ہوتا ہے تو صوفی نیکی کے کسی بھی کام کو اپنی طرف منسوب کرنے میں شدید حجاب محسوس کرتا ہے بلکہ اسے اللہ کا فضل خاص سمجھتا ہے۔ عبدیت کا یہ غلبہ، طالب میں آخری حد تک عاجزی اور فنائیت پیدا کردیتا ہے۔ مرتب)

شیخ کا طالب کی سطح پر نزول کا ہونا

سلوک کے کچھ اہم مباحث

فرمایا، کیفیت میں کمی کی مثال مزدوروں جیسی اور کیفیت پیدا ہوجانے کی مثال انجن جیسی ہے، بس شیخ اسی کی کوشش کرتا ہے اور شیخ کی خدمات میں سب سے سخت خدمت یہی ہے، کیونکہ طالب کی تکمیل کے لئے شرط ہے، شیخ وطالب میں مناسبت کی۔ اور مناسبت کی عقلا دو صورتیں ہوسکتی تھیں۔ ایک شیخ کو طالب کے مقام پر تنزل کرنا، دوسرے طالب کو اپنے مقام پر لے جانا، پہلی صورت میں شیخ کو مشقت ہوتی ہے اور طالب کو سہولت اور دوسری صورت میں اس کے برعکس، مگر شیخ کی شفقت وکمال کا تقاضا پہلی صورت ہے، اسلئے وہ اس کو اختیار کرتا ہے، پس شیخ کیلئے وہ وقت جب کہ وہ طالب کے مقام کی طرف نزول کرتا ہے، بہت سخت ہوتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا نزول اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، کیونکہ بہت زیادہ فرق ہونے کی وجہ سے اُن کو زیادہ تنزل کرنا پڑتا ہے، باقی حضور ﷺ کا نزول۔ پھر جب مخاطب اس نزول کی قدر بھی نہ کرے تو وہ اس کی وجہ سے اسے سخت اذیت ہوتی

ہے، اسی لئے حضورﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سارے انبیاء سے زیادہ اذیت دی گئی ہے اور یہ مشقت اُس پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دشواریوں کو آسان کردینا فطری امر تھا، ورنہ دشواری کی کوئی حد ہی نہ رہتی۔ تو شیخ کا یہ بڑا کمال ہے کہ وہ طالب کے مقام پر نزول کرکے آتا ہے، طالب کو اپنے درجہ پر نہیں لیجاتا، جیسے ایک طالب علم میزان پڑھتا ہے اور ایک بہت بڑا علامہ اس کو پڑھاتا ہے تو وہ علامہ اُس کے مقام کی طرف نزول کریگا (یعنی اس کی ذہنی سطح پر آکر اسے تعلیم دے گا) تب اسے نفع ہوگا، وہ طالب علم کو اپنے مقام کی طرف نہ لیجائے گا، اس کے مناسب ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ مجلس میں یہ فرمارہے تھے کہ بلاء بھی نعمت ہے اور لوگ اُس تقریر سے متاثر ہورہے تھے، عین اُس وقت ایک شخص آیا، جس کے ہاتھ کو کسی دوسرے شخص نے لڑائی کے وقت کاٹ لیا تھا اور اُس کی وجہ سے ہاتھ میں ورم ہوگیا تھا اور اس کو سخت تکلیف تھی، اُس نے آکر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمادیجئے کہ میری یہ تکلیف جاتی رہے، میں بھی اُس مجلس میں موجود تھا۔ اب مجھے طالب علمانہ شبہ ہوا کہ حضرت ابھی ثابت فرماچکے ہیں کہ ہر مصیبت اور بلاء وتکلیف خدا کی نعمت ہے، اب اس درخواست کے بعد دوصورتیں ہیں، اگر اس کی صحت کیلئے دعا کی تو وہ نعمت کے دفع ہونے کی دعا ہوگی اور اگر دعا نہ کی تو یہ منصب شیخ کے منصب کے خلاف ہوگا کہ حضرت اُس کو مقام نعمت کی لذت پر لے گئے، جس سے اُس کو ذرا بھی مناسبت نہیں تو اس صورت میں حضرت عام مخلوق کے کام نہ آئے، حضرت نے معمول کے خلاف فرمایا کہ سب اس شخص کیلئے دعا کریں اور باآواز بلند دعافرمانا شروع کی کہ اے اللہ، یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلاء بھی نعمت ہے، مگراپنی کمزوری کی وجہ سے ہمیں اس نعمت کی برداشت نہیں، اس لئے آپ اپنی رحمت سے اس نعمت بلاء کونعمت صحت سے تبدیل فرمادیجئے، مجھے اُس وقت نہایت حیرت ہوئی۔ (صفحہ ۱۱۶۔۱۱۷)

کمال کے وقت صاحبانِ کمال کی حالت

فرمایا، فرد میں جتنا کمال بڑھتا جاتا ہے، اُس کے معاملات ومقامات میں

سلاست آتی جاتی ہے، جب انتہائی کمال حاصل ہوتا ہے تو اُس وقت یہی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ عالم بھی ہے یا نہیں، اُس کی تائید میں مولوی عبید اللہ ناظم مؤتمر الانصار کا ایک مقولہ بیان فرمایا کہ وہ جب یہاں آئے تو مجھ سے کلید مثنوی کی تکمیل کی فرمائش کی، میں نے عذر کیا کہ مجھے علمی لیاقت تو کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی، اب تو حالت یہ ہے کہ اصطلاحیں وغیرہ بھی سب بھول گیا ہوں، وہ لفظی علم بھی غائب ہوگیا ہے،انہوں نے کہا کہ علم کا تو وہی وقت ہے، جب یہ اصطلاحیں بھلا دیجائیں۔ (صفحہ ۱۱۸)

(یہ ایک حقیقت ہے کہ جب فرد پر کسی چیز کی فکر غالب ہوتی ہے تو ذہن میں دوسرے معاملات کا نسیان ہوجاتا ہے، جو شخص اللہ کی محبت میں مستغرق ہوجاتا ہے، اس استغراق کے نتیجہ میں اس پر محبوب کی طرف سے اپنی رضا، محبت اور معرفت کے علوم القا کردیئے جاتے ہیں۔ مرتب)

فن سے واقفیت کے بغیر اپنا علاج خود کرنے کا نقصان

فرمایا، فن میں مہارت کے بغیر فرد ہمیشہ غلطیوں میں مبتلا رہتا ہے اور حقیقت کا ادراک نہیں ہوپاتا، مجھے پچھلے دنوں بے خوابی کی شکایت ہوگئی تھی، حکیم صاحب سے حالت عرض کرتا، وہ کچھ دوائیں تجویز کردیتے، مگر کچھ نفع نہ ہوا تو میں نے سمجھا کہ حکیم صاحب توجہ سے نہیں بتاتے، سرسری یاد سے کچھ تجویز کردیتے ہیں، اس پر میں نے کہا لاؤ، ہم خود ہی کتاب میں دیکھ لیں، یہ سوچ کر میں نے ایک روز حکیم صاحب سے کہا کہ مجھے شرح اسباب دیدیجئے، کتاب میں خود اپنے حالات پر اُس بیماری کو منطبق کرلوں گا۔ اُنہوں نے کتاب دیدی، میں لے کر گھر آیا اور دیکھنا شروع کیا تو اس میں اُس مرض کے جتنے اسباب بھی لکھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ وہ سب میرے اندر موجود ہیں، اب کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کون سے سبب کا علاج تجویز کروں، میں نے کتاب لے جا کر حکیم صاحب کے حوالہ کی اور کہا کہ یہ کتاب آپ ہی کے کام کی ہے، ہمارے کام کی نہیں اور راز یہ معلوم ہوا کہ کچھ کچھ اسباب تو سب ہی ہوتے ہیں، مگر زیادہ درجہ میں جو سبب ہوتا ہے، وہی مرض میں

موثر ہوتا ہے، اُس کو اہل فن ہی سمجھتے ہیں، ہم نہیں سمجھ سکتے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فن سے واقف ہیں، ہم فن سے واقف نہیں، غرض بغیر فن کی مہارت وواقفیت کے کسی فن میں دخل دینا خلاف عقل ہے۔ (صفحہ ۱۱۸)

(کسی بھی فن میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کرنے کے لئے عرصہ تک اس فن میں مستغرق ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس فن کی باریکیوں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ یہی معاملہ روحانی بیماریوں کے علاج میں مہارت حاصل کرنے کا ہے۔ مرتب)

نیند میں کمی کے نقصانات

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، بعض لوگ ذکر کیلئے نیند کا علاج کرتے ہیں، تاکہ نیند میں کمی واقع ہو اور ذکر میں اضافہ ہو، کیا یہ جائز ہے، فرمایا اگر نیند حداعتدال سے بڑھی ہو تو یہ مرض ہے اور مرض کا علاج ضروری ہے اور اگر اعتدال پر ہو تو اُس کی کمی کی سعی کرنا، اپنے آپ کو ہلاکت اور مرض میں ڈالنا ہے، عرض کیا کہ بعض طالب کہتے ہیں کہ ہمیں کم سونے سے تکلیف ہی نہیں ہوتی، فرمایا کہ اگر اس وقت نہ ہو، مگر مستقبل میں مثلاً بڑھاپے میں اس کا نتیجہ بُرا اور مضر ہوگا۔ (صفحہ ۱۱۹)

(تصوف میں محبوب کے لئے طالب کی بے تابی اسے ذکر وفکر کے مجاہدوں میں دوڑانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ طالب صادق، شب وروز ذکر وفکر کے ذریعہ محبوب کو منوانے اور نفسی قوت کو اس کے تابع کرنے کی فکر وکاوش میں مصروف رہتا ہے۔ جس سے بعض اوقات اس کی نیند متاثر ہوتی ہے۔ اس کا اعصابی نظام متاثر ہوتا ہے، اس پر دماغی تھکاوٹ غالب ہونے لگتی ہے۔ اس طرح کی صورتحال میں اگر طالب کو محقق شیخ حاصل نہ ہوا تو اس کا جسمانی نظام مفلوج ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ محقق شیخ معاملہ کے سارے پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر، طالب کو معتدلانہ حالت میں رکھنے کی کوشش کرے گا۔ مرتب)

گناہ سے ضمیر کی طرف سے لعنت ملامت کا ہونا

فرمایا، میں تو کہتا ہوں کہ گناہ وہ چیز ہے کہ اگر کوئی چھپ کر بھی کرے تو اُس کا ضمیر خود اس پر لعنت کرتا ہے اور اسے اُس گناہ سے جس قدر تکلیف ہوتی ہے، وہ اُس کے لئے سوہانِ روح ہوتی ہے، البتہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اگر کسی کے اندر بے حسی پیدا ہوگئی ہو تو اُس کا کوئی ذکر نہیں۔ ورنہ آنکھوں والے کیلئے نور اور ظلمت میں امتیاز کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ (صفحہ ۱۲۶)

گناہوں سے جسمانی امراض کا پیدا ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، آجکل ایسے امراض پیدا ہورہے ہیں، جن کے سمجھنے سے طبیب بھی قاصر ہیں۔ فرمایا، حدیث شریف میں بھی تو آیا ہے کہ گناہوں کی بدولت تمہارے اندر ایسے امراض پیدا ہوں گے، جو کبھی تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سُنیں ہوں گے۔ (صفحہ ۱۳۲)

میری وجہ سے کسی کو تکلیف
نہ ہونے کے احساس کا غالب ہونا

فرمایا، میں کیا عرض کروں، دوسروں سے تو میں کیا خدمت لے سکتا ہوں اور کسی کو کیا ستا سکتا ہوں، میں نے تو اپنے تنخواہ دار ملازموں تک سے کہہ رکھا ہے کہ جو کام نہ کرسکو، صاف صاف کہدو کہ ہم نہیں کر سکتے، مجھے اس پر کوئی ناگواری نہ ہوگی، چنانچہ بعض کاموں سے وہ بے تکلف انکار کردیتے ہیں، جس سے مجھے بحمداللہ کوئی ناگواری نہیں ہوتی تو جس شخص کا اپنے تنخواہ دار ملازموں کے ساتھ یہ برتاؤ ہو، وہ دوسروں سے تو کیا کام اور خدمت لے سکتا ہے، اسی لئے میں قریب قریب سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں، مجھے اس کا بیحد خیال رہتا ہے کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ (صفحہ ۱۳۴ جلد چہارم)

حضرت نظام الدین اولیاء کا
جوگی کی طرف سے مرض سلب کرنا

فرمایا، حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ کے زمانہ میں ایک جوگی تھا، اُس

نے یہ مشق کی تھی کہ مریض پر نظر ڈال کر اس کا مرض سلب کر لیتا تھا، ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین صاحب قدس سرہ پر دورہ پڑا، جس میں بے ہوشی ہوجاتی تھی، ہوش آجانے پر خدام نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو فلاں جوگی کے یہاں جو مرض سلب کرتا ہے، حضرت کا پلنگ لے چلیں، فرمایا کہ خبردار، ایسا مت کرنا، لوگوں کے عقائد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اتفاق سے پھر دورہ ہوگیا اور بے ہوشی طاری ہوگئی، مریدوں کو پیر سے عشق کا تعلق ہوتا ہے، خلوص ہوتا ہے، ان سے پیر کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، آپس میں مشورہ کرکے پلنگ اٹھا کر اُس جوگی کے مکان پر آئے، اُس نے دیکھا کہ اتنا بڑا شخص میرے مکان پر آیا ہے، وہ پھولا نہیں سمایا، فوراً سارا کام چھوڑ کر متوجہ ہوا اور فوراً مرض سلب کرلیا اور حضرت ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مرض تھا ہی نہیں، دیکھا کہ جوگی کا مکان ہے، سمجھ گئے کہ یہ لوگ محبت کی وجہ سے میری تکلیف کو برداشت نہیں کر سکے، اس لئے کسی کو کچھ نہیں کہا، بلکہ اُس جوگی کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تمہیں تاثیر کی یہ جو صلاحیت حاصل ہے، وہ کس عمل کی بدولت ہے، اُس نے کہا کہ میرے پاس صرف ایک چیز ہے، وہ یہ کہ میرے گرو نے مجھے تلقین کی تھی کہ ہمیشہ نفس کے خلاف کام کرنا، یعنی یہ کہ نفس کا کہا نہ ماننا، بس میرے پاس صرف یہی عمل ہے، اس کی بدولت یہ تصرف کرتا ہوں اور مرض کو سلب کرلیتا ہوں، یہ سُن کر حضرت سلطان جی نے دریافت فرمایا، اچھا یہ بتاؤ، تمہارا نفس مسلمان ہونے کو چاہتا ہے، عرض کیا کہ نہیں، فرمایا پھر گرو کی تعلیم پر کہاں عمل رہا، ادھر تو یہ فرمایا اور اُدھر توجہ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے ایک دم کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہوگیا، آپ نے درحقیقت اس پر بھی عمل کیا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اس نے آپ کے مرض جسمانی کو سلب کیا تھا، آپ نے اُس کے مرض باطنی یعنی کفر کو سلب فرمایا، احسان کا بدلہ احسان ہوگیا۔ (صفحہ ۱۴۰ حصہ چہارم)

(کسی دوسری کتاب میں اس واقعہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جب حضرت نظام الدین اولیاء نے جوگی سے کہا، کلمہ پڑھو تو اس نے انکار کیا، انکار کے بعد جب اس نے اپنے اندر توجہ کی تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیماری کی سلبی کی ساری صلاحیت سلب ہے، وہ بہت رویا اور حضرت سے کہا کہ میں نے تو آپ کے ساتھ یہ

احسان کیا کہ بیماری سلب کردی، آپ نے میرے ساتھ یہ بدخواہی کی کہ مجھ سے یہ نعمت ہی سلب کرلی، آپ نے فرمایا، تم نے اپنے گرو کی نصیحت کی خلاف ورزی کی، اس کی وجہ سے یہ ہوا ہے، اب نفس کی مخالفت کرتے ہوئے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگے تو تمہاری اس استعداد میں نورانیت بھی شامل ہوجائی گی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔ مرتب)

حق تعالیٰ کے کام میں لگنے والا
دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا

فرمایا، حق تعالیٰ جس کو بھی اپنے کام میں لگائیں اور توفیق عطا فرمادیں، یہ بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے، ایسا شخص دنیا کی طرف متوجہ ہو نہیں سکتا، ایک وقت میں دوطرف توجہ ہو بھی کب سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ دوسرے کاموں کے نہیں رہتے، اسی وجہ سے لوگ ان کو دیوانہ سمجھتے ہیں، دیوانہ تو ضرور ہیں، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ کس کے دیوانہ ہیں، اسی دیوانگی کو فرماتے ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم — مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگرچہ مفلس اور دیوانے ہیں۔ مگر اُس ساقی اور پیمانے کے مست ہیں۔)

یہ خداوند جلا جلالہ کے دیوانہ ہیں، اُن کے عاشق ہیں، جب مخلوق کے عشق میں آدمی کسی اور کام کا نہیں رہتا تو خالق کے عشق کا کیا پوچھنا۔ (صفحہ ۱۴۳)

حضرت سلطان جی کا حالت غشی میں بار بار نماز
کا پوچھنا

فرمایا، اہل تصوف پر اعتراض کرنے والے بدفہم ہیں، ورنہ یہ حضرات قابل ملامت ہرگز نہیں، مگر ملامت کرنے والوں کو ان کی حالت عذر کی خبر نہیں، دیکھئے، فقہا فرض نماز کی تکرار کو منع کرتے ہیں، حضرت سلطان جی کی وفات کے وقت یہ حالت تھی کہ بار بار غشی سے اُٹھتے اور پوچھتے کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں، عرض کیا جاتا کہ پڑھ چکے، عبادت کے شوق کی شدت سے فرماتے لاؤ، پھر پڑھ لوں، نہ معلوم پھر کیا موقع ہے، ایسے عاشق لوگوں پر کیا ملامت۔ (صفحہ ۱۴۵)

عملیات میں خیالی قوت کے ساتھ الفاظ کا بھی اثر ہونا

فرمایا، کہ جی ہاں، عملیات میں خود الفاظ کا بھی اور عامل کے خیال کا بھی اثر ہوتا ہے، مگر یہ ممکن ہے کہ ایک کا زیادہ اور ایک کا کم ہوتا ہو، باقی تجربہ یہ ہے کہ عامل اگر بددلی یا بے توجہی سے تعویذ لکھے تو اثر نہیں ہوتا، عامل کی خیالی قوت کو اس میں بڑا دخل ہے اور کبھی بغیر ان اسباب کے بھی کام چل جاتا ہے، چنانچہ میرے ایک دوست ہیں، اُن کی لڑکی پر آسیب کا اثر ہوا، میں نے اطلاع ہونے پر بجائے تعویذ لکھ کردینے کے ایک مضمون پرچہ پر لکھ کر دیدیا کہ اُس جن کو یہ مضمون دکھلا دینا، اُس پرچہ کا مضمون یہ تھا کہ اگرتم مسلمان ہوتو میں تمہیں قرآن وحدیث کی وہ وعیدیں جو کسی مسلمان کے ستانے پروارد ہیں، یاد دلاتا ہوں اور اگرتم کافر ہوتو ہم اول صلح کی درخواست کرتے ہیں اور اگر صلح منظور نہیں تو جنگ ہوگی، اس صورت میں اگرچہ میرے پاس مقابلہ کا کوئی سامان نہیں، مگر بحمد اللہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جوتمہاری کافی طرح خدمت کریں گے، پرچہ پہونچنے پر معلوم ہوا کہ اُس پرچہ کے مضمون کو پڑھ کر یہ کہا کہ اب ہم جاتے ہیں، اسلئے کہ یہ ایسے شخص کا رقعہ نہیں ہے، جسے اہمیت نہ دی جائے، خاموشی سے سلام کرکے رخصت ہوا تو ان میں بھی ہرقسم کے جن کے ہوتے ہیں، شریف بھی اور شریر بھی، یہ بیچارے کوئی شریف ہونگے۔ (صفحہ ۱۵۸)

ایک درویش کی حالت قبض وبے تابی

فرمایا، رامپور ریاست میں ایک درویش تھے، اُن پرقبض کی حالت طاری تھی، جس میں وہ اپنے کو شیطان سمجھنے لگے تھے، جو مردود ہوگیا، اس حالت میں وہ ایک درویش مولوی صاحب کے پاس آئے، یہ مولوی صاحب شیخ بھی تھے، مولوی صاحب اُس وقت درس میں مشغول تھے، دریافت کیا کون، کہا کہ شیطان، مولوی صاحب نے بلاکسی خیال کے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھ دیا، یہ سُن کر وہ درویش چلدیئے اور اپنے حجرہ پر پہونچ کر مُرید سے کہا کہ میں مردود ہوں، شیطان ہوں، میں اپنے آپ کو دنیا سے مٹانا چاہتا ہوں اور اس کی صورت یہ ہے کہ میں

اپنی گردن الگ کرتا ہوں، اگر کچھ کھال اُلجھی رہ جائے تو اسے الگ کردینا اور اس کے بعد درویش خودکشی کرکے ختم ہوگئے۔ ایک مولوی مظہر تھے، جو میرے ہم سبق تھے، انہوں نے یہ واقعہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیان کیا، حضرت مولانا نے سُن کر فرمایا کہ ہم تو اُن مولوی صاحب کو شیخ سمجھتے تھے، مگر معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں تھے، اگر میرے ساتھ یہ معاملات پیش آتا تو میں کہتا کہ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے، شیطان ہی توہو، کیا ہے، شیطان بھی تو اُنہی کا ہے تو نسبت تو اب بھی قطع نہیں ہوئی تو اس سے اس کا قبض ختم ہوجاتا۔ اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نسبت جو شیطان کو حاصل ہے، کیسی ہے، ظاہر ہے کہ تکوینی ہے، جو مطلوب نہیں اور وہ نسبت رضاء کی نہیں، جو مطلوب ہے تو اس سے قبض کیسے رفع ہوجاتا تو اس کا حل بھی یہی ہے کہ یہاں مولانا کوبصیرت سے معلوم ہوگیا کہ اس عنوان سے ہی علاج ہوجاتا۔ اس لئے اس طریق میں شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ (صفحہ ۱۶۱)

اہل علم کوتصوف کی ضرورت
اہل اللہ کی صحبت کے بغیر علم کا غیرنافع ہونا

فرمایا، اہل علم سے تعجب ہے کہ وہ بھی تصوف سے ناواقف ہیں۔ اہل علم اور طلبا کو اس فن کو جاننے کی سخت ضروت ہے، ان کی ناواقفیت کی وجہ سے جاہلوں اور نااہلوں کومخلوق کوگمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا ہے، دوسروں کی فکر اور اصلاح تو بعد کی بات ہے، اہل علم کو سب سے پہلے اپنی خیر منانی چاہئے، تصوف سے ناآشنائی کی وجہ سے فرد، بہت سی غلطیوں میں مبتلا رہتا ہے، درسی کتابوں کے پڑھنے میں تو دس برس صرف کردیں گے، مگر باطنی اصلاح کے لئے چھ ماہ بھی صرف کرنا مشکل ہے اور بعض افراد تو صرف ونحو میں ساری زندگی صرف کردیتے ہیں۔ مگر محو کے لئے ایک منٹ اور ایک سکنڈ بھی صرف کرنا موت معلوم ہوتا ہے، معلوم بھی ہے کہ اس تصوف کی حقیقت کیا ہے، اسی حقیقت کے حاصل کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی   شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(ایک پل کے لئے بھی اس شاہ سے غافل مت ہو، شاید کسی وقت نظر عنایت کرے اور بوجہ غفلت کے تم کو خبر بھی نہ ہو)۔

اور اگر اعتقاد سے نہیں کر سکتے تو بطور امتحان کے کرکے دیکھو، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش، آزموں رایک زمانے خاک باش

(برسوں تو پتھر رہ چکا ہے۔ آزمائش ہی طور پر چند روز خاکساری اختیار کرکے بھی دیکھ لو۔)

مگر شرط، رکاوٹوں کو دور کرنا ہے، اسی کو فرماتے ہیں۔

جملہ اوراق وکتب ودرنار کن، (یعنی کتب مانعہ) سینہ را از نور حق گلزار کن،

جو علوم محبوب کی راہ میں مانع ہیں، ان کو آگ لگادو۔ اور سینہ کو نورحق سے گلزار بنالو۔

اور اسی کو فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں، حکمت ایمانیاں راہم بخواں،

یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھتے رہوگے ایمان والوں کی بھی حکمت پڑھو۔

مگر یہ کسی کامل کی صحبت کے بغیر پیدا ہونا مشکل ہے، کسی کی جوتیاں سیدھی کرو، اسی کو فرماتے ہیں۔

بے عنایات حق وخاصان حق، گرملک باشد سیہ ہستش ورق،

حق تعالیٰ اور ان کے خاص بندوں کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہے تو اس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

بس کسی اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اور اپنا کچا چٹھا اُس کے سامنے رکھ دو، وہ تمہیں منزل مقصود پر پہنچا دے گا اور دشوار گذار گھاٹیوں سے نہایت آسانی سے نکال لے جائیگا۔

اسی صحبت کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار ومرد حال شو، پیش مردے کاملے پامال شو،

باقی بغیر راہبر کے اس راہ میں قدم رکھنا سخت خطرہ ہے، بڑی ہی نازک راہ

ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ راتنہا مرد، بے قلاوز اندریں صحرا مرد

(راہ سلوک کے لئے رہبر کی ضرورت ہے۔ بغیر رہبر کے اس جنگل میں تنہا مت جاؤ۔)

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ سب کچھ شیخ کرے گا، یہ غلطی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں تدابیر بتائے گا، اس لئے کہ وہ اس راہ سے واقف ہے، وہ اسے طے کرچکا ہے، باقی کام تمہیں خود ہی کرنا پڑیگا اور وہ کام اگر نفس کو دشوار معلوم ہو تو اس کا سبب محبت کی کمی ہے، ورنہ محبت وہ چیز ہے کہ اس سے بڑے سے بڑے مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں اور یہ سب دشواریاں ہمیں نظر آرہی ہیں، ورنہ اُن کے نزدیک کون سی مشکل ہے، پس اپنی قوت واستعداد کی طرف نہ دیکھو، ان کے کرم پر نظر کرو، اس سے قوت وہمت پیدا ہوجائیگی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست، باکریماں کارہا دشوار نیست،

(تم یہ مت کہو کہ اس شاہ تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی وہ کریم ہیں اور کریموں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں) وہ خود ہی اپنی طرف کھینچ لیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے کرنے کا جو کام ہے، وہ ہم کریں، جو ان کے کرنے کا ہے، وہ کریں گے اور وہ تو کریم ذات ہے، وہ کیوں نہ کریں گے، مگر عادۃ طلب شرط ہے، طلب ہو تو سارا کام وہی بنادینگے، خود کرنے پر یاد آیا کہ ایک بزرگ سے کسی نے اولاد نہ ہونیکی شکایت کی اور تعویذ مانگا، بزرگ نے کہا کہ تعویذ تو میں دیتا ہوں، مگر پیر جی کے تعویذ ہی پر مت رہنا، کچھ کمر کا زور بھی لگانا، تو صاحب، کم ازکم طلب صادق اور خلوص تو ہو، اس کے بغیر کام ہونا مشکل ہے۔ (صفحہ۱۶۶۔ ۱۶۷ حصہ چہارم)

عورت کی عفت کو برباد کرنے کی کاوشیں

فرمایا، آجکل ملک میں بے پردگی کی زہریلی ہوا چل رہی ہے۔ عورتوں میں خود آزادی کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے۔ حیاء کا مادہ کم ہوتا جارہا ہے۔ پہلے زمانہ میں عورتیں غیور ہوتی تھیں۔ اب بھی یہ صفت اگر کچھ ہے تو وہ ہندوستان کی عورتوں میں ہے۔ اس غیرت پر اس وقت ایک عجیب حکایت یاد آئی۔ چنگیز خاں سے حب معتصم باللہ

خلیفہ مغلوب ہوئے اور چنگیز خاں کا قبضہ ہوگیا تو خلیفہ کی ایک کنیز نہایت حسین تھی، وہ بھی اُس کے ساتھ آئی، اس نے ایسی حسین عورت دیکھی نہ تھی، بہت خوش ہوا اور اس کی بہت عزت اور خاطر مدارات کی اور بہلا پھُسلا کر، اپنی طرف میلان کرانا چاہا۔ اُس عورت نے ایک عجیب تدبیر اختیار کی، چنگیز خاں نے اس عورت سے خلیفہ کے بہت سے حالات دریافت کئے، اُس نے بتائے اور کہا کہ اور تو جو کچھ ہے، وہ ہے مگر خلیفہ نے مجھے ایک چیز ایسی دی ہے، جو کسی نے آج تک نہ دی اور نہ شاید کوئی دے۔ چنگیز خان نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے، کہا کہ وہ ایک تعویذ ہے، اُس کا اثر یہ ہے کہ اگر اُس کو کوئی باندھے ہوتو اُس پر نہ تلوار اثر کرے، نہ گولی اور نہ وہ پانی میں ڈوب سکے۔

چنگیز خاں یہ سن کر بہت خوش ہوا، اس لئے کہ ایسی چیز کی تو ہر وقت ضرورت رہتی ہے، یہ خیال کیا کہ نقل کرا کر فوج میں تقسیم کرادوں گا۔ چنگیز خان نے وہ تعویذ مانگا، اُس نے کہا کہ پہلے تم اس کا امتحان کرلو، میرے پاس اس وقت وہ تعویذ ہے، تم بیدھڑک اور بلاخطرہ تلوار کا ایک وار مار دو، دیکھو کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ بار بار کا آزمایا ہوا ہے۔ چنگیز خان نے ایک ہاتھ تلوار کا صاف کیا کہ لاش بڑی دور جا کر پڑی، چنگیز خان کو اس پر بیحد صدمہ ہوا کہ اپنے ہاتھوں میں نے اپنی محبوبہ کو فنا کر دیا۔ اس عورت کی غیرت کو دیکھئے کہ کس قدر غیور تھی۔ گو یہ فعل ناجائز تھا۔ خودکشی تھی، مگر منشا اس فعل کا غیرت تھی کہ کسی دوسرے کا ہاتھ نہ لگے۔ یہ عورت کی خاص صفت ہے، اس چیز کو آج کل بُری طرح برباد کیا جارہا ہے۔ خود مرد ہی بے غیرت ہیں۔ نہ حیاء ہے، نہ غیرت، جو ایمان کی خاص صفت ہے۔ لوگوں سے جو میری لڑائی رہتی ہے اس کا سبب غیرت ہی تو ہے۔ مجھ سے بے غیرت نہیں بنا جاتا۔ کسی کو برداشت ہو، مجھے تو برداشت نہیں۔ (صفحہ ۱۰۸ جلد ششم)

فرد میں دوسروں کی تنقیص وتنقید کی خاصیت کا ہونا

فرمایا، انسان کی خاصیت ہے کہ وہ دوسروں کی تنقیص کی کوشش کرتا ہے، اپنی کمزوریوں اور غلطیوں پر غور نہیں کرتا اور نہ اُن پر نظر ہوتی ہے، اسی لئے اکثر رائے میں غلطی ہوتی ہے اور وہ دوسرے کی رائے کو قبول نہیں کرتا۔ (صفحہ ۱۰۹)

(معاشرہ میں پیدا ہونے والے فساد کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کا

بڑا سبب اپنے آپ کو بہتر سمجھنے اور دوسروں کی تحقیر کا جذبہ ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھنے کی وجہ سے فرد اپنی بات دوسروں سے منوانے اور دوسروں کی تحقیر وتردید کی راہ پر شدت سے گامزن ہوتا ہے۔ مرتب)

مجاہدوں کے ذریعہ اصلاح کی کوششوں کے بغیر آدمیت کا پیدا ہونا دشوار ہے

فرمایا، اصلاح کی کاوشوں کے بغیر دوسرے فضائل پیدا ہوجائیں تو ہوجائیں، مگر آدمیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، دیکھئے، گھوڑا سب میں شریف جانور ہے، لیکن اسے اگر سدھایا نہ جائے، وہ کام ہرگز نہیں دے سکتا، اس سے خطرہ ہی رہتا ہے، مگر اس کے باوجود لوگوں کو اصلاح کی طرف بالکل توجہ نہیں، ہاں، ولایت، قطبیت، غوثیت اور بزرگی کی تلاش ہے۔ ایک مولوی صاحب گنگوہ سے یہاں پر آئے تھے، نیک آدمی ہیں، بزرگوں کی حکایات خوب بیان کرتے ہیں، مگر اپنے متعلق ان کے یہاں کچھ نہیں، اپنے سے بالکل بے فکر، حالانکہ انسان کو پہلے اپنی فکر ہونا ضروری ہے، لوگوں سے میری یہی لڑائی رہتی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ ہر وقت دوسروں کی فکر میں پڑے رہتے ہو، اپنی فکر کیوں نہیں کرتے، اپنے کو تو کامل مکمل سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ وہ راہ ہے کہ ساری عمر بھی فرد اگر اس میں کھپادے، تب بھی تھوڑا ہے، اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش ومی خراش　　　تادم آخر دمے فارغ مباش

(صفحہ ۱۲۶)

(یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس کی دنیا میں غوطہ زنی کے بعد اس کے مکر وفریب کے نت نئے حربے سامنے آتے رہتے ہیں، معمولی غفلت سے بھی نفس، طالب پر حاوی ہونے لگتا ہے، اورنفس کا سانپ ڈنگ مارے بغیر نہیں رہتا، اس لئے نفس کی طرف سے ایک لحہ کے لئے بھی غافل اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے، آخر وقت تک خود احتسابی اور ذکر وفکر کے عمل کو جاری رکھنا چاہئے۔ مرتب)

بزرگ کامل کی حالت کا عوام کے مشابہ ہونا

فرمایا، آج کل چند ممتاز باتوں کا نام بزرگی رکھا گیا ہے، حالانکہ درویشی کی کوئی

ظاہری صورت نہیں ہوتی، کامل وہی ہے، جس کی ظاہری حالت عوام کے مشابہ ہو۔ صحابہؓ کو عام لوگ اس وجہ سے درویش نہیں سمجھتے کہ اُن کی حالت بالکل عوام کے مشابہ تھی، کامل کبھی کسی امتیاز کا اہتمام نہیں کرتا، اور غیر کامل اور غیر عارف چونکہ کمال سے کورا ہوتا ہے، اسلئے وہ امتیازی شان کا اہتمام کرتا ہے، کامل میں تصنع اور بناوٹ کا کیا کام، اُس کی تو یہ حالت ہوتی ہے، جس کو فرماتے ہیں۔

دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند　　　　دلبر ماست کہ باحُسن خدا داد آمد

(صفحہ ۱۲۶)

تہذیب کی قیمت پر تعظیم کا ہونا

فرمایا، آج کل بدفہمی کا بازار گرم ہے، ہر چیز کی حقیقت سے دوری ہے، اگر حقیقت سے باخبر ہوجائیں تو ساری گڑبڑ ختم ہوجائے اور اگر ختم بھی نہ ہو، لیکن کم تو ضرور ہوجائے، اب یہی دیکھ لیجئے کہ لوگوں میں تعظیم تو ہے کہ وہ پچھلے پاؤں ہٹیں گے، دست بوسی کریں گے، مگر تہذیب بالکل نہیں۔ اور تعظیم سے راحت تھوڑی پہونچتی ہے، بلکہ اس سے فرعونیت پیدا ہوتی ہے کہ تعظیم کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے۔ راحت تو صرف تہذیب سے حاصل ہوتی ہے۔ ادب، تعظیم کا نام نہیں بلکہ ادب کی حقیقت راحت رسانی ہے۔ مگر اس وقت راحت کا تو کہیں نام نہیں۔ محض رسمی ادب ہے، جس سے مشائخ کے یہاں بھی متکبرین کے یہاں کا رنگ نظر آنے لگا ہے، کوئی دست بستہ کھڑا ہے، کوئی سرنگوں بیٹھا ہے، مجھے بحمداللہ ان چیزوں سے طبعی نفرت ہے، نہ میں نے اپنے بزرگوں کے یہاں یہ رنگ دیکھا ہے، نہ مجھے یہ پسند ہے میں نے ایک سادہ زندگی اور سادہ طرز دیکھا ہے اور وہی پسند ہے۔ (صفحہ ۱۳۳)

(موجودہ دور میں عام طور پر بزرگوں کے ہاں تعظیم کا جو سلسلہ ہے، اس میں شدید غلو ہے، وہ تہذیب اور انسانی تکریم کے اعتبار سے بھی قابل اعتراض ہے۔ امت پر مولانا تھانویؒ کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے رسمی آداب کو مٹانے کی کوشش کی، ان کے سلسلہ سے وابستہ بزرگوں میں تعظیم کے یہ آداب بالکل نہیں۔ مرتب)

جمہوریت کے نقصانات

فرمایا، یہ جمہوریت متعارفہ کیا ہے، لڑکیوں کا کھیل ہے، اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو، ایک روٹی بھی نہ پکے، اگر نسخہ تجویز کرنے میں بھی جمہوریت ہو تو مریض کبھی اچھا نہ ہو، آخر یہ جمہوریت معلوم نہیں کہاں سے نکالی گئی ہے، اس کے نتائج بھی بھگت رہے ہیں، اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں، مگر جو چیز زبان سے ایک بار سے نکل گئی ہے، قیامت آجائے، مگر اُس سے نہ ہٹیں گے، اس قدر نفس پروری کا زمانہ ہے کہ تجربہ ہوگیا ہے، مشاہدہ ہوگیا ہے، لیکن اڑے ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۱۷۱)

ایک فاضل شخصیت سے گفتگو

فرمایا، فلاں مولوی صاحب، جن کو میں مولویوں کا سید احمد خاں کہا کرتا ہوں، یہاں آئے تھے، اُنہوں نے دہلی میں ایک مدرسہ جاری کیا تھا، اُس میں نئی روشنی کے اصول سے۔ بی۔ اے۔ والوں کو تفسیر پڑھاتے تھے۔ جب یہاں آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کہنے لگے کہ قدیم طرز کی تفسیر سے نئے لوگوں کی تشفی نہیں ہوتی، اس لئے جدید طرز پر تفسیر پڑھاتا ہوں، اس جدید طرز کے بارے میں وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ماخوذ ہے، جو محض غلط ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ محض غلط خیال ہے کہ قدیم طرز کی تفسیر سے تشفی نہیں ہوسکتی۔ آپ دو طالب علم بی اے کے لیجئے، جن کی طبیعت ایک سی ہو۔ علم یکساں ہو اور ایک ہی مسلک ہو۔ ایک کو آپ جدید طرز پر سمجھائیں اور ایک کو میں پُرانے طرز پر سمجھاتا ہوں اور پھر اُن کا تقابل کرائیے، معلوم ہوگا کہ کون سمجھا اور کون نہیں سمجھا۔ کہنے لگے کہ آپ تو سمجھا سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جب میں سمجھا سکتا ہوں تو تم یہ کام چھوڑ دو، میرے سپرد کردو۔ کہنے لگے بہتر۔ دہلی چل کر رہو اور وہاں رہ کر پڑھاؤ۔ میں نے کہا، اس کی کیا ضرورت ہے۔ انگریزی خواں طلبہ کو یہاں بھیج دیجئے، نہ کسی چندہ کی ضرورت ہوگی، نہ طالب علموں کا زیادہ خرچ ہوگا اور کام ہوجائیگا۔ پھر کچھ نہیں بولے، خاموش ہوگئے۔ اور کوئی بات نہیں،

صرف وہی بات ہے، جو میں کہہ رہا ہوں کہ اس کمبخت منحوس نیچریت کا اثر اور مہلک اب سب میں نظر آنے لگا ہے، اس کا بڑا زہریلا اثر ہے، جیسے کسی وقت ہوا میں زہریلے اثرات پیدا ہوجائیں، وہ حالت ہورہی ہے، اس وقت یہی ہورہا ہے۔ (صفحہ۱۸۱)

(یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ دین کے اہم اور بنیادی معاملات یا دین کے نصب العین اور فرائض وواجبات کے تعیین کے سلسلہ میں سلف صالحین کی اسلامی فکر اور ان کی تشریحات ہمارے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی بنیادی تشریحات سے ہٹ کر، اگر قرآن وسنت کی، نئے حالات میں ازسرنو تشریح ہوگی، یہ تشریح کرنے والے چاہے کتنی ہی بڑی فاضل اور ممتاز علمی شخصیات ہی کیوں نہ ہوں، اس سے ایک تو اسلام کا وہ تسلسل جو ہمیں سلف سے خلف تک وراثۃ مستقل ملا ہے، وہ تسلسل منقطع ہوجائے گا اور سلف کی اسلامی تشریحات ہمارے لئے بے معنیٰ ہوجائیں گی، دوم یہ کہ اس سے اسلام کی حقیقی روح مجروح ہوجائے گی، جو ایمان کی گہرائیوں، تقویٰ اور عشق ومحبت اور ہر سنت پر عمل پیرا ہونے کے ذوق وشوق سے متعلق ہے۔ سوم یہ کہ اس طرح کی نئی اسلامی تشریح سے امت، نئے نئے گروہوں میں منقسم ہوجائے گی۔ گروہوں میں تقسیم کا یہ عمل قرآن وسنت کی نئی تشریح کی وجہ سے ہوگا۔

مولانا تھانویؒ نے مذکورہ جس فاضل شخصیت کا ذکر کیا ہے، ان سے یہی غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے نئے دور کی عالمی فکر سے متاثر ہوکر، اس کے تناظر میں قرآن وسنت کی بالکل نئی تشریح کی ہے (جس کا سلف صالحین کی اسلامی تشریح سے کوئی تعلق نہیں)۔

اگرچہ یہ فاضل شخصیت ذاتی طور پر تقویٰ، زہد اور درویشی میں مثالی شخصیت تھی، لیکن سلف کے اجماع سے ہٹ کر، اپنے دور کے فکر سے متاثر ہوکر، اس رنگ میں قرآن وسنت کی تشریح کرنا، پھر اس کے نتائج وثمرات سے بچنا ممکن نہیں۔ چنانچہ اس فاضل شخصیت کے شاگردوں کے علمی کام کی وجہ سے ہزاروں ذہین افراد ایسے پیدا ہوئے، جو اسلام کے کمیونزم والے ایڈیشن کے علمبردار ہیں اور سامراج دشمنی وسرمائیداروں سے جنگ جوئی کے کام کو دین کا ہدف سمجھنے لگے، اس پس منظر میں کہ جب اس فکر کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے تھے، تنقید کرکے اسے سلف سے متصادم فکر قرار دینا، مولانا کی غیر معمولی بصیرت کی عکاسی ہے۔ واضح ہو کہ مولانا تھانویؒ نے

اس فکر پر تیس صفحات کا ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ مرتب)

انگریز بنانے سے بچانے کے لئے
شاہ عبدالعزیزؒ کی حکمت عملی

فرمایا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا، مع اپنے کنبہ کے، وہ خانساماں تھا، اُس نے انگریز کی بچی ہوئی چائے پی لی تھی۔ اُس کے تمام متعلقین نے اُس سے نفرت ظاہر کی کہ یہ تو انگریز ہوگیا، یہ شخص بہت پریشان تھا، حضرت شاہ صاحب سے مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے، اس وقت شاہ صاحب کے پاس اہل علم اور شاگردوں کا مجمع تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی اتنی بڑی بات، اتنی جلد طے نہیں ہوسکتی، کل آنا، کسی بڑی کتاب میں مسئلہ دیکھیں گے اور بیوی بچوں سے کہا کہ اس سے الگ رہنا۔ کئی روز دق کرکے فرمایا کہ آج ایک روایت نکلی ہے، تم سے بہت بڑی بات ہوگئی تھی، اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ اتنی نفلیں پڑھو، غسل کرو۔ غرض بڑا بکھیڑا بتایا، شاگردوں نے باہم جرحا کہا کہ نہ معلوم، حضرت شاہ صاحب نے یہ مسئلہ کہاں سے فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب نے سن کر فرمایا کہ تم کیا جانو، یہ انتظامی بات ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ دلیر ہوجاتے اور انگریز بنا شروع ہوجاتے۔ حضرت شاہ صاحب کا طرز نہایت حکیمانہ تھا، عجیب باتیں ہوتی تھیں۔ (صفحہ۱۸۳)

(مسلمانوں کی طرف سے انگریز بننے اور انگریز سے مشابہت پیدا کرنے کے جس خطرہ کو شاہ صاحب نے ابتدائی دور میں محسوس کرلیا تھا، یہ خطرہ جلد ہی درست ثابت ہوا اور دین وایمان اور اسلامی روایات وغیرہ سب فرنگیت اور جدیدیت کے سیلاب کی نذر ہوتی گئیں۔ اب امت کے جدید تعلیم یافتہ افراد میں انگریز سے بڑھ کر انگیز بننے اور اس کی تہذیب پر فریفتہ ہونے کی دوڑ پیدا ہوگئی ہے۔ مرتب)

تصوف
شرعی احکام کے رسوخ کا ذریعہ ہے

فرمایا، یہ بات مدتوں کے بعد لوگوں کو معلوم ہوئی کہ تصوف، اسلامی شریعت ہی کا ایک جز ہے اور وہ جز ایسا ہے کہ اُس کے بغیر نجات ہی مشکل ہے، جیسے احکام

کی شان ہوتی ہے، اب میں تصوف کی حقیقت اور اُس کا مقصد بیان کرتا ہوں کہ شرعی اعمال تصوف ہیں۔ اور رضاء حق مقصود ہے۔ اس کے علاوہ مشائخ جو کچھ تعلیم کرتے ہیں، اذکار واشغال وغیرہ وہ سب شرعی اعمال کے رسوخ کے واسطے ہیں، جن کا درجہ تدابیر سے بڑھ کرنہیں۔

جیسے جسمانی طبیب کی تدابیر مریض کے لئے ہوتی ہیں۔ اسی لئے جسمانی طبیب کی تدابیر کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح اس کو بھی بدعت نہ کہیں گے۔ یہ ہے تصوف کی حقیقت۔ اب دیکھئے، اس میں کونسی بات وحشت کی ہے۔ (صفحہ ۲۱۶)

(مجدد امت کی طرف سے تصوف کی اس تشریح کے بعد تصوف کے بارے میں ساری غلط فہمیاں دور ہونی چاہئے، جو تصوف، دین کا خادم اور اس کا معاون ومددگار ہو۔ دل کو مجلی ومصفیٰ کرنے کا ذریعہ ہو، اسے خلاف اسلام سمجھنا یا تو سادگی ہے یا غلط فہمی۔ مرتب)

آج کل بزرگی اور خلافتوں کی تقسیم کی روش کا عام ہونا

فرمایا، آجکل بزرگوں کی کیا کمی ہے، کثرت سے بزرگ ہی بزرگ ہیں۔ بزرگ لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور لوگ ان سے بیعت ہوتے ہیں، جس میں نہ کچھ کرنا پڑے نہ دھرنا۔ بزرگی مل جاتی ہے۔ اور ایسی اختراعی بزرگی اور ولایت کی وجہ سے ہی انسانیت اور آدمیت جاتی رہی ہے، خبرنہیں کہ ایسے بزرگ بن کر کیا لینا چاہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۴۴)

(موجودہ دور میں بالخصوص خلافتوں کی تقسیم کے عمل میں بہت فراخ دلی ہوئی ہے اور ہورہی ہے، بعض بزرگوں کے کئی کئی سو خلیفے ہیں۔ لیکن اس طرح کی خلافت، جس میں نفس پرستی کی قوتوں سے مقابلہ کرکے، انہیں بڑی حد تک تابع بنانے میں کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو، ایسی خلافتوں سے نہ تو خود خلفاء حضرات کی اصلاح کے عمل میں بہتری اور پاکیزگی آسکتی ہے اور نہ ہی معاشرہ کی اصلاح کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اگرچہ حضرت مولانا تھانویؒ کے دور میں بھی ایک حد تک یہ صورت تھی، لیکن موجودہ دور میں خلافتوں کی تقسیم میں غیر معمولی فیاضی کا مظاہرہ ہورہا ہے۔ اس

طرح خلافتیں حقیقت میں خود ان حضرات کے لئے بڑی آزمائش کی حیثیت رکھتی ہیں، فرد کی اپنی اصلاح ہوجائے، یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ دنیا کی ساری سعادتوں سے بڑھ کر سعادت ہے، خلیفہ بن کر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مرتب)

لوگوں کی طرف سے فرعون بنانے کی کوشش کا ہونا

ایک نووارد صاحب نے حاضر ہوکر سلام مصافحہ کے بعد دست بوسی کی اور پھر پاؤں بوسی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس پر حضرت والا نے اسے متنبہ کیا، وہ اس پر بھی اصرار کرتے رہے، آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ افسوس، نرمی کیساتھ کہنے سے تمہیں سمجھ میں نہیں آیا، کیا میری پرستش کرنے آئے ہو، مجھے فرعون بنانا چاہتے ہو، آخر تم لوگوں کے عقیدے کیوں خراب ہوگئے، آخر تم لوگ اسلام اور مسلمانوں کو کیوں بدنام کرتے ہو، آخر میں کہاں تک صبر کروں اور کہاں تک تغیر نہ ہو، کوئی حد بھی ہے، بندہ خدا، سلام کرنا اور مصافحہ کرنا کیا کافی نہیں، کیوں شرکیات اور بدعات میں مبتلا ہورہے ہو۔ اب دیکھ لیجئے کہ کیا یہ موقع خاموشی اور متعارف خوش اخلاقی کا ہے، اگر نہ بولتا تو پائے بوسی سے فارغ ہونے کے بعد یہ شخص سجدہ کرتا اور نہ معلوم کہاں تک نوبت پھونچتی اور یہی وجہ تھی پابوسی سے روکنے کی، اللہ بچائے بدفہموں سے، یہ ساری خرابی تکلفات کی ہے۔ مسلمانوں میں سادگی تو رہی نہیں، فقیروں میں دیکھو تو تکلفات۔ امیروں میں دیکھو تکلفات۔ اس کا خیال ہی نہیں کہ یہ بات دین کے خلاف ہے یا موافق ہے، اس کے علاوہ ہر موقع اور ہر معاملہ کے وقت اس کا خیال رکھنے کی بھی سخت ضرورت ہے کہ اپنے کسی قول یا فعل سے کسی دوسرے پر بوجھ نہ ہو، بار نہ ہو، گرانی نہ ہو اور یہ پائے بوسی میرے لئے سخت گراں ہے، اگرچہ جائز بھی ہو اور اگر ناواقفی کا عذر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ جہاں جائے، کسی سے وہاں کے طریقے معلوم کرلے۔ (صفحہ ۲۴۹)

دینی مدارس کو دواہم کاموں کی تلقین

فرمایا، میں سارے اہل مدارس کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی مقرر ہونے چاہئیں۔ یہ نبوی سنت ہے اور پڑھنا پڑھانا، اس کی ابتدا

ہے، جب کہ اصل مقصود تبلیغ ہی ہے، ایک اور بات تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ مبلغین کو چندہ سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے، صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا، ان کا کام ہو، اس سے لوگوں کو بہت نفع پھونچتا ہے، مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے، عرصہ ہوا، غالبا ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنا چاہئے، جن کا کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اُس کی آبادی کی نسبت سے مبلغوں اُن کی آمدورفت رہنا چاہئے، مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا، ان مدارس کے متعلق میری ایک رائے یہ ہے کہ دینی مدارس میں صنعت وحرفت کا بھی انتظام ہو، خواہ طلبہ بعد میں یہ کام نہ کریں، لیکن سکھایا ضرور جائے، اس لئے کہ آج کل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مولویوں کو اُس کے سوا اور کچھ نہیں آتا، اس لئے وہ انہیں اپنا محتاج سمجھتے ہیں، جس سے ان کی تحقیر ہوتی ہے، اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے اور اس طرح چندہ مانگنے سے بچ جائیں گے، اس لئے کہ چندہ مانگنے میں حددرجہ تحقیر ہے۔ (صفحہ ۲۶۶ حصہ ششم)

اہل اللہ کا، اہل دنیا سے بے نیاز ہونا
ان کے لئے اللہ کی طرف سے مدد کی صورتوں کا ہونا

فرمایا، مجھے غیرضروری قصوں اور جھگڑوں سے وحشت ہوتی ہے، چنانچہ خود گھر میں اگر ضرورت سے زیادہ چیز ہوتی ہے تو الجھن ہوتی ہے۔ بعض لوگ محبت کی وجہ سے اکثر ایسی چیزیں لے آتے ہیں، جو قابل استعمال نہیں ہوتیں، وہ فروخت کردیتا ہوں اور ضرورت کی چیزیں خرید لیتا ہوں۔ بہت جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ خانقاہوں میں پشت در پشت تک کی چیزیں محفوظ ہیں اور ملازم باقاعدہ اُن کی حفاظت کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔ تو ان صاحبوں کا قلب کیا ایک سرائے ہے۔ اسی خلو خانقاہ کی تحریک کے زمانہ میں ایک عجیب قدرتی لطیفہ ہوا۔ ایک متمول شخص تھے، انہوں نے یہاں کے لئے وصیت کی چار ہزار اٹھائیس روپیہ کی۔ وہاں سے ایک

صاحب نے خط لکھا کہ حسب وصیت چار ہزار روپیہ آپ کا جمع ہے، باضابطہ سب رجسٹرار کے سامنے وصول یابی کی تصدیق کردینے کی ضرورت ہوگی، جب کہیں روپیہ بھیجدیا جائے گا، میں نے لکھ دیا کہ ہم اس تصدیق کیلئے رجسٹرار کے پاس نہ جائیں گے۔ اُنہوں نے لکھا کہ خیر، قصبہ میں کوئی مجسٹریٹ ہو، ان کی تصدیق کرادیں۔ میں نے کہا کہ مجسٹریٹ تو ہیں اور ایسے ہیں کہ گھر پر آسکتے ہیں، مگر ہم نہ اُن کو تکلیف دینا چاہتے ہیں اور نہ خود تکلیف اُٹھائیں گے۔

اُنہوں نے کہا کہ پھر کیا ہو، ہم تو ضابطہ سے مجبور ہیں، میں نے لکھا کہ علماء سے استفتاء کرلو کہ ایک ایسی مشروط وصیت تھی اور ان شرائط کو فلاں مدرسہ کے ذمہ دار تسلیم نہیں کرتے، اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس پر لکھا کہ بہت اچھا، ہم روپیہ بھیجتے ہیں اور ہم اس طرح کی کوئی تصدیق وغیرہ نہیں چاہتے، صرف دو طالب علموں کی شہادت لکھا دو۔ میں نے اس کو منظور کرلیا۔ چنانچہ روپیہ آ گیا۔ اتفاق سے اُس روز یہاں پر دوگورنمنٹ آفیسر موجود تھے، ایک ڈپٹی کلکٹر دوسرے سب جج، میں نے دونوں کی تصدیق کراکر بھیج دی، بیحد خوش ہوئے۔ فرد کو چاہئے کہ اللہ کے لئے کام کرے اور اللہ پر نظر رکھے تو مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں ایک آسانی یہ ہوئی اور اسی بناء پر میں نے اس کو قدرتی لطیفہ کہا کہ ایک وہ زمانہ تھا، جب خانقاہ خالی کرائی جاتی ہے۔ اُس وقت کبھی کبھی یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ ایسا وسیع مکان کوئی دوسرا نظر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار ہزار روپیہ بھیج کر، یہ وسوسہ دفع فرما دیا۔ اور اس واقعہ کے اجزاء سے اپنی آزادی محفوظ رہنے کا بھی انعام خداوندی ظاہر ہوا، دین کے خادموں کو تو آزاد ہی رہنا چاہئے، ورنہ یہ کیسی واہیات بات ہے کہ اہل علم، دین کی خدمت بھی کریں اور اوپر سے ان دنیاداروں کے نخرے بھی اُٹھائیں، ان کی چاپلوسی بھی کریں۔ اس میں تو دین کی بھی اور اہل دین کی بھی، سراسر ذلت اور تحقیر ہے، مجھے ہمیشہ ان باتوں کا خیال رہتا ہے کہ دین اور اہل دین کی تحقیر نہ ہو، کیونکہ یہ اہل دنیا، اہل دین کو ان رعایتوں کے سبب نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں، اس لئے مجھے خاص طور پر مالی معاملات میں بڑی احتیاط ہے۔ (صفحہ ۲۷۵)

مختلف بزرگوں کی صحبت
میں رہنے سے فاسد مذاق کا پیدا ہونا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں، جو ایک ایسے شخص کے متعلق تھا، جو پہلے ایک غیر محقق شیخ سے بیعت تھے، فرمایا کہ اب اسے چاہے کیسی ہی مفید صحبت ملے اور کیسی ہی اصلاح کی جائے، مگر اس کے مزاج میں پہلے بزرگ کے تعلق کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور موجود رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ اُن سے اس قسم کی حرکات صادر ہوتی رہتی ہیں، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ مختلف محقق بزرگوں کی خدمت میں رہ کر بھی مذاق فاسد ہوجاتا ہے، چہ جائیکہ کسی غیر محقق سے تعلق رہا ہو، اُس وقت تک جو بُری باتیں پیدا ہو چکی ہیں، اُن کا اثر بھی رہ جاتا ہے، اگرچہ اُن کے صدور کی نیت نہ ہو، مگر بُری باتیں تو بلانیت کے بھی بُری ہی ہیں، اس لئے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے، خوب سوچ سمجھ کر دیا جائے، کسی اہل باطل کے ہاں پھنس جانے سے اصلاح کے بعد بھی وہ رنگ ضرور رہتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جب ہنڈیا پک گئی اور خراب ہوگئی ہے تو ٹھیک کرنے پر بھی وہ خراب ہی رہتی ہے۔ ایک دوسری مثال بھی ہے کہ ایک تو کنواری لڑکی سے نکاح کیا جائے اور ایک بیوہ عورت سے، کنواری لڑکی کو تو جس ڈھنگ پر چاہو، لے آؤ، لیکن بیوہ عورت، خواہ دوسرے خاوند پر عاشق ہی ہوجائے، مگر اُس میں پہلے خاوند کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے، اسی طرح جو مُرید پہلے کسی شیخ سے متعلق رہ چکا ہو، خواہ اُس کی کیسی ہی اصلاح ہوجائے، مگر پہلے شیخ کے تعلق کا اثر اُس میں کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے، اس لئے دیکھ بھال کر کسی سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ (صفحہ ١١ حصہ ہشتم)

(یہاں حضرت مولانا نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اصلاح نفس کے لئے کسی بزرگ سے تعلق قائم کرنے سے پہلے خوب غور وفکر سے کام لیا جائے، اس لئے کہ غیر محقق یا افراط وتفریط کی حامل شخصیت سے تعلق قائم کرنے کے بعد نہ چاہنے کے باوجود فرد کے مزاج میں ان کی صحبت کے اثرات راسخ ہونا شروع ہوجاتے ہیں، بعد میں دوسرے محقق بزرگ سے تعلق قائم ہونے کے بعد بھی وہ

اثرات کسی حد تک قائم رہتے ہیں۔ مرتب)

نفس کی شرارتوں سے ہر وقت
بچنے کے لئے فکر مند اور کوشاں ہونا

فرمایا، نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ جب موقع پائیگا اور اسباب دیکھے گا، اپنا کام کئے بغیر نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی کامل اصلاح کر چکے ہیں، بے فکر ہونا اُن کیلئے بھی خطرہ سے خالی نہیں، مگر ان کو ایک اعتبار سے سہولت حاصل ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی بنا پر اس کو قابو میں کر سکتے ہیں، ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور کی سی ہے، جب وہ قابو سے نکل جاتا ہے تو آگا پیچھا نہیں دیکھتا، اس سے جو بھی نقصان صادر ہوجائے کم ہے، اس لئے اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے نفس کی حقیقت کو سمجھا ہے، وہ ہر وقت اس تگ ودو میں رہتے ہیں۔ کسی کو بھی کسی بھی وقت بے فکر نہیں ہونا چاہئے، جب بھی بے فکری ہوگی تو وہ اس پر حملہ آور ہوگا، سانپ سے کیا بے فکری، وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا، بس یہی حالت نفس کی ہے۔ یہ تو قابو میں اُسی وقت تک ہے، جب تک اس کی فکر لاحق ہوگی اور جس طرح یہ تاک میں ہے، اس کی ضرورت ہے کہ دوسرا اس کی تاک میں ہو، ورنہ یہ تو اژدھا ہے۔ شیطان اس قدر خطرناک نہیں، جتنا یہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے **اعدی عدوک الذی بین جنبیک**۔ (صفحہ ٢٥)

(یہاں حضرت مولانا نے نفس کی طرف سے ہوشیار رہنے کی جو تاکید فرمائی ہے، وہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے، نفس پرستی کی قوتوں سے بچاؤ کے لئے خدا کے فضل خاص کی ضرورت ہے، لیکن اللہ نے اپنے فضل کو ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے وابستہ کیا ہے۔ کثرت ذکر کی خاصیت ہی نفسی قوتوں کو پامال کرنا ہے، یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ ذکر کی ایک آدھ تسبیح یا پندرہ بیس منٹ کے یومیہ کے ذکر واذکار سے نفس کی قوت مطیع اور پامال ہو سکے، یہ قرآن واحادیث کی تصریح اور سلف کے تجربات کے برعکس ہے۔ پندرہ بیس منٹ کے ذکر واذکار سے نہ صرف یہ

کہ نفسی قوتوں کی تہذیب نہیں ہوتی، بلکہ نفس کے مکر وفریب کا ادراک بھی نہیں ہو پاتا، فنائے نفس کے سفر کے لئے کثرت ذکر کے نور کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اور کثرت ذکر کے نور کی سعادت اہل اللہ کی صحبت کے بغیر حاصل ہو سکے، مشکل ہے۔ البتہ موجودہ دور کی مصروفیات کی وجہ سے کم سے کم اصلاح کے لئے اتنی مقدار میں ذکر کا ہونا، یہ بھی افادیت سے خالی نہیں۔ لیکن اس قلیل ذکر کی بنیاد پر خلافتیں دینا، صحیح نہیں، اس لئے کہ ذکر کے اس معمول سے فرد، فنا کے مقامات طے کر سکے، دشوار تر ہے۔ مرتب)

خود رائی وخود بینی کا سم قاتل ہونا

فرمایا، اس راہ میں خودرائی اور خود بینی سخت راہزن اور سم قاتل ہے، جس شخص میں یہ چیزیں موجود ہوں گی، وہ قطعاً محروم رہے گا، اس کو راہ سلوک سے کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا، اس راہ میں پہلا قدم فنا ہے اور اپنے کو مٹانا ہے، اس خودرائی کو حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خودرائے خود درعالم رندی نیست　　کفرست درین مذہب وخودبینی وخودرائی

(صفحہ ۲۵ حصہ ہشتم)

(موجودہ دور کے علم ودانش میں خودرائی وخود بینی اس طرح پیوست ہوگئی ہے کہ علم ودانش سے اسے جدا کرنا سخت محال ہے۔ علم ودانش کے نام پر ہونے والی گمراہی کا کیا علاج ہو سکتا ہے، علم ودانش کا جو صاحب اپنے آپ کو ہی حرف آخر سمجھتا ہو، اپنے علم واپنی رائی کو سب سے برتر سمجھتا ہو، وہ خود رائی سے بچ کر حقیقت تک رسائی حاصل کرے، دشوار تر ہے۔ مرتب)

کوئی بُرا نہ کہے کی فکرمندی کا دامنگیر ہونا

فرمایا، آج کل لوگوں میں ایک عام مرض پیدا ہوگیا ہے اور اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہمیں بُرا نہ کہے، یہ مرض حب جاہ کہلاتا ہے اور یہ مرض تکبر سے عبارت ہے اور بڑا ہی مہلک مرض ہے، اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، دنیا میں بھی اس کی بدولت جو تکلیفیں ہوتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں اور آخرت تو اس کی

بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہوجاتی ہے، اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہئے کہ کوئی کچھ نہ کہے، کہا کرے، اس سے بگڑتا ہی کیا ہے، اس میں ایک فوری تکلیف تو یہ ہے کہ آدمی اس سوچ اور فکر میں پڑ کر، کسی کام کا نہیں رہتا، اس کے وقت کا بڑا حصہ اس میں خراب اور برباد ہوتا ہے، کسی وقت قلب کو چین اور سکون ہی میسر نہیں ہوتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مدار دوسروں پر ہے کہ وہ اس کو اچھا سمجھیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے تو اُس کے درپے ہونے کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور نتیجہ نہ ہونے کی حالت میں اُس میں مشغول ہونا کم از کم بیکار فعل تو ضرور ہوگا اور فضول اور بیکار سے بچنا خود نصف طریق ہے۔ (صفحہ ۲۵۔۲۶)

(طالب صادق کو صرف ایک ہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کسی طور محبوب راضی ہوجائے، لوگوں کے راضی ہونے یا نہ ہونے سے وہ بلند ہوجاتا ہے۔ محبوب، اپنے ذکر ومحبت کی بدولت اس کے اس مزاج کو راسخ کردیتا ہے۔ مرتب)

حالت استغراق کمال نہیں

فرمایا، جس قدر حضور ﷺ کے ساتھ تشبہ ہو، اُسی درجہ فرد کامل ہے۔ مگر آج کل لوگوں کی نظر میں کمال یہ ہے کہ ہر وقت استغراق کی حالت غالب ہو، کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ اب حقیقت سنئے، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں قرائت طویل کروں، مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں نماز میں پریشان نہ ہو، اس لئے قرائت کو طویل نہیں کرتا تو حضور کو تو بچوں کے رونے تک کی خبر ہو، لوگوں نے کمال کی مثال میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ بعض بزرگوں کو نماز میں تیر نکلنے تک کی خبر نہیں ہوئی، اگر کسی کو یہ اطلاع نہ کی جائے کہ دونوں واقعے کس کے ہیں تو وہ تیر کی خبر نہ ہونے والے کو کامل سمجھے گا، حالانکہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کون کامل ہو سکتا ہے، مگر پھر بھی حضور ﷺ کو بچوں تک کے رونے کی خبر ہوئی۔

ذرا سوچ سمجھ کر زبان سے کچھ نکالنا چاہئے اور ان کیفیات یعنی استغراق وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کمال کی چیز نہیں اور جب کمال کی چیز نہیں تو

بیچارہ مقصود کیا ہو سکتا ہے۔ یہ سب بے خبری ہے کہ لوگوں نے ان چیزوں کو مقصود اعظم بنایا اور سمجھا ہوا ہے۔ (صفحہ ۳۵)

(استغراق کی حالت کے درپے پڑنا اور اس کے لئے شدید فکرمند ہونا اور اگر یہ حالت مستحکم نہ ہو تو شدید مضطرب ہونا، یہ چیزیں ایسی ہیں، جو طالب کو مایوسی کی طرف لے جانے کا سبب بن سکتی ہیں۔ طالب صادق کو تو راہ محبت میں مستقل مزاجی سے چلتے رہنا چاہئے۔ اور چلتے رہنے کے ساتھ محبوب جس حالت میں بھی رکھیں، اس پر مطمئن ہونا چاہئے۔ مرتب)

راہ سلوک کا زندگی بھر کا سفر ہونا

فرمایا، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس راہ میں چلنا ایک دو دن کا کام نہیں، زندگی بھر اسی اُدھیر بن میں رہنا پڑتا ہے، اس پر بھی اگر فضل ہو جائے تو اُن کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

اندرین رہ می تراش و می خراش   تادمِ آخر دمے فارغ مباش

اور یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ یہ سب باتیں دور رہتے ہوئے کٹھن معلوم ہوتی ہیں، مگر جب کام میں لگ جاؤ گے، تب سب آسان نظر آنے لگیں گی، اس لئے کہ ہمارے نزدیک تو مشکل ہے، جب کہ اُن کے نزدیک سب آسان ہے، اس لئے کر کے دیکھو، خواہ بطور امتحان ہی کرو۔ (صفحہ ۴۰)

بدانتظامی و بے فکری کی وجہ سے
دین و دنیا کی بربادی کا سامان ہونا

فرمایا، مسلمان اگر تباہ اور برباد نہ ہوں تو اور کیا ہوں اور اس تباہی اور بربادی کا زیادہ تر سبب بدانتظامی ہے، جو بے فکری کی دلیل ہے، اسی بے فکری کی بدولت ہزاروں زمیندار، رئیس اور نواب بھیک مانگتے پھر رہے ہیں، حتی کہ اسی کی وجہ سے سلطنتیں دے بیٹھے۔ اس کی بدولت دنیا تو دنیا، دین تک تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۴۳)

بے فکری اور فضول خرچی کے نتائج
کچھ واقعات

فرمایا، یہ بے فکری وہ چیز ہے کہ کانپور میں ایک صاحب نے بنئے سے سات سو روپے قرض لئے، پھر وہ بے فکر ہو گئے، وہ بنیا بھی خاموش رہا۔ ایک مدت کے بعد قرض کی رقم چالیس ہزار روپیہ تک پہنچ گئی۔ اس پر بھی اُس بنئے نے کہا کہ فلاں دوکان مجھے دیدو اور بے باقی قرض کی رسید لیلو۔ مگر ایک ملازم نے اسے اپنی اغراض کی وجہ سے بہکایا اور دوکان نہیں دینے دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ہاتھ سے جائداد، گھر، دوکان سمیت سب ہاتھ سے نکل گئیں۔

کانپور کے ایک شخص کی حکایت ہے کہ اُس کے باپ کا انتقال ہوا۔ صاحب ثروت آدمی تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد بیٹے نے روپیہ اُڑانا شروع کر دیا، اُن کے باپ کے ایک دوست تھے، اُن کو یہ سن کر کہ اس طرح مال اُڑا رہا ہے، رنج ہوا، وہ ان کے پاس آئے اور اُس کے سامنے تفصیل سے فضول خرچی کے نتائج بیان کئے، اس نے یہ ساری باتیں سن کر طاق میں رکھی ہوئی ایک لنگوٹی اُتار کر دکھائی، اور کہا کہ یہاں تک کے نتیجہ کے لئے تو میں پہلے سے تیار ہوں، اگر افلاس کا اس سے بڑھ کر کوئی درجہ ہو تو وہ فرمایئے، تاکہ میں اُس پر بھی غور کر سکوں، باقی اس کے لئے تو تیار ہوں۔ ایک شخص کانپور کی جامع مسجد میں پانی بھرا کرتے تھے۔ لوگ اُن کو نواب صاحب کہتے تھے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت وہ نواب تھے، لیکن وہ عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے تباہ اور برباد ہو گئے، یہ سب بے فکری اور غفلت کے نتائج ہیں، جن کی بدولت مسلمان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے دین اور دنیا دونوں جاتے رہے اور پھر بھی آنکھیں نہیں کھلیں، رات دن تباہی اور بربادی کا منظر دیکھ رہے ہیں، مگر پتھر پر جونک نہیں لگتی، دیکھئے آئندہ اور کیا حشر ہوتا ہے۔ سن سُن کر بہت قلق اور رنج ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۳-۴۴)

ایک صحابیہ کے طاقتور ایمان کا مثالی واقعہ

فرمایا، جو چیزیں حضور ﷺ کے زمانہ کی عورتوں تک میں پائی جاتی تھیں، وہ اس وقت کے بہت سے علماء ومشائخ میں موجود نہیں۔ حضرت ام سلمہ کا بچہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

شب کا وقت تھا، اُنہوں نے اپنے خاوند ابو طلحہؓ کو بھی بیٹے کے انتقال کی خبر نہیں کی، تاکہ وہ صبح تک پریشان نہ رہیں۔ اول ابو طلحہؓ نے بیٹے کے بارے میں پوچھا کہ اب کیا حالت ہے۔ جواب میں کہا کہ سکون ہے۔ واقعی موت سے بڑھ کر سکون کی اور کیا چیز ہوگی۔ معمول کے موافق خاوند کی خدمت کی، چہرہ سے بھی کوئی ملال یا رنج کا اظہار نہ ہونے دیا، کھانا کھلایا، بستر لگایا۔ شب کو صحابی کو ہمبستری کی طرف رغبت ہوئی، اُس سے بھی انکار نہیں کیا، جب شب گذر چکی اور صبح ہوئی تو میاں سے مسئلہ پوچھا کہ کسی نے ایک شخص کے پاس کوئی امانت رکھی، اب وہ امانت لینا چاہتا ہے، اس امانت کو بخوشی اُس کے سپرد کردینا چاہئے یا رنج کرنا چاہئے، صحابی نے کہا کہ بخوشی سپرد کردینا چاہئے، اس میں رنج کی کون سی بات ہے۔ اس وقت کہا کہ لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے، اُس کو دفن کر آؤ۔ صحابی بہت خفا ہوئے کہ بھلی مانس، میں شب کو خواہش نفس میں مبتلا رہا، کھانا کھایا اور تو نے ذکر تک نہیں کیا، وہ جواب دیتی ہیں کہ کیا نتیجہ ہوتا، میں تو پریشان تھی ہی، تم بھی پریشان ہوتے۔ اللہ اللہ یہ عورتیں تھیں ذکر کرنا تو بہت آسان ہے، مگر جب اپنے پر گذرے تب پتہ چلے۔ اللہ اکبر، حضور ﷺ کی بھی کیا شان تھی۔ عرب کی کیا حالت تھی۔ آپ کی برکت سے کیا سے کیا ہوگئی، حضور ﷺ کی ایک نظر میں کیمیا تو کیا کیمیا ساز بن گئے۔ سبحان اللہ۔ (صفحہ۴۶)

عقلمندی، کھانے کمانے کا نام بن کر رہ جانا

فرمایا، آج کل عقلمندی نام ہے کھانے کمانے کا، جو کما کھالے، وہ عقلمند ہے، لیکن یہ کام تو جانور بھی کرتے ہیں۔ پیٹ بھی بھر لیتے ہیں، کیا یہ کوئی انسانیت ہے اس کے متعلق غالبا مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

آدمیت لحم وشحم وپوست نیست   آدمیت جز رضائی دوست نیست

(صفحہ۴۹ حصہ ہشتم)

(موجودہ دور میں انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہی یہی ہے کہ وہ یا تو مادہ پرست ہوگیا ہے، یا مادی زندگی اور یا دنیا کی چکاچوند اس پر حاوی ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز مادی زندگی بن کر رہ گئی ہے۔ اس مادی زندگی سے پھر قساوت قلبی اور سنگ دلی پیدا ہوگئی ہے۔ مرتب)

مصیبتوں اور شر کے مقابلہ میں دعا اور توجہ ڈھال کی حیثیت رکھتی ہے

فرمایا، دعا التجاء اور توبہ، یہ چیزیں تو معاشرے سے بالکل ہی متروک ہوگئیں ہیں۔ دنیادار تو کیا دینداروں میں بھی یہ چیزیں نہیں رہیں۔ لوگوں میں کچھ خشکی اور افسردگی سی آگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت وحلاوت معلوم نہیں ہوتی، ہر چیز میں روکھا پن سا معلوم ہوتا ہے، یہ دو چیزیں دعا اور توبہ حقیقت میں مصیبتوں اور شر کے مقابلہ میں ڈھال اور ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہیں، مگر لوگوں کو انہی چیزوں سے غفلت ہے، البتہ جب کوئی مصیبت سر ہی پر آپڑتی ہے، اُس وقت ہوش آتا ہے۔ (صفحہ۵۲)

دین کے کاموں میں نصرت کے رجحان کے نہ ہونے کا المیہ

فرمایا، جی ہاں اخبار مباہلہ قادیانیوں کے مقابلہ پر جاری ہے، بہت کام کررہا ہے، لیکن کوئی امداد یا نصرت کرنے والا نظر نہیں آتا، مسلمانوں کا خدا پر سارا توکل اور بھروسہ ایسے ہی موقعوں پر ظاہر ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ حق کی امداد اور نصرت خدا ہی کرتا ہے، ہماری کیا حاجت، یہ عقیدہ تو صحیح ہے، مگر اس کی غرض فاسد ہے، وہ غرض یہ ہے کہ ہم خود دین کی حمایت اور نصرت کا کام نہ کریں۔ اور یہ سارا توکل اور بھروسہ دین ہی کے کاموں میں رہ گیا ہے، دنیا کے کاموں میں اس عقیدہ کا ظہور کیوں نہیں ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ اسی اخبار کے متعلق دیکھ لیجئے کہ کوئی خریدار پیدا نہیں ہوتا، اب کوئی شخص کس ہمت پر کام کرے اور یہ ساری خرابی بدانتظامی کی ہے کہ ہماری کوئی تنظیم نہیں، ورنہ اگر ہم میں کوئی جماعت منظم

ہوتی تو کچھ نتیجہ بھی نکلتا اور اس طرح کے کاموں کو استقامت حاصل ہوتی، اب ہر شخص اکیلا اکیلا کام کررہا ہے، جو تھوڑے دنوں کے بعد بند ہوجاتا ہے، مسلمانوں میں تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے دوسری خرابیاں بھی پیدا ہورہی ہیں، مثلاً ایک یہی کہ جب کوئی تنظیم نہیں تو اصول بھی نہیں اور اصول نہ ہونے کی وجہ سے کام کرنے والا بھی کبھی حدود سے نکل جاتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں واقع ہوتی ہیں اور ان سب کا انسداد صرف صحیح تنظیم سے ممکن ہے (صفحہ ٦٤ حصہ ہشتم)

(حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے دور کے جس رجحان کا ذکر فرمایا ہے کہ دین کی نصرت کے کاموں کے لئے آمادگی نہیں (جس کی وجہ سے بالآخر مذکورہ اخبار بند ہوگیا) موجودہ دور میں نصرت دین کے کاموں سے بے حسی کے رجحان میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوا ہے، ہمارے سامنے سندھ میں اسلام کو درپیش چیلنج کا مسئلہ درپیش ہے کہ پچھلے ساٹھ ستر سال سے ہمارے ہزاروں ذہین افراد، بعض ہندو اور کمیونسٹ دانشوروں کی فکری وعملی کوششوں سے الحاد ودہریت کی راہ پر گامزن ہوگئے، بعض یونیورسٹیوں میں اسلام کا نام لینا دشوار ہوگیا، سیکڑوں دانشور واہل علم، الحاد ودہریت اور مادہ پرست فکر کے فروغ کی جدوجہد میں زندگی صرف کرکے مرکھپ گئے اور اس فکر کو نئی نسلوں میں منتقل کرگئے۔ ان حالات میں علمی میدان میں کام کرنے اور نئی نسل کی ذہنی تربیت کے کام میں تعاون کی زندگی بھر صدا دیتے رہے، لیکن توجہ نہیں ہوئی، اس بے حسی کو دیکھ کر سوائے دعا اور اپنی سی کوشش کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ مرتب)

علم کے نام پر جہل کے بازار کا گرم ہونا

فرمایا، آجکل کہنے کو تو علم میں ترقی ہورہی ہے، مگر حقیقت میں جہل کا بازار گرم ہے۔ ہر شخص مجتہد اور محقق بنا ہوا ہے، جس کو دیکھو، مفسر، مفتی اور محدث بنا ہوا ہے، کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کسی سے ذرا سی کوئی بات خلاف نفس ہوئی اور کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ کتنی سخت بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کے علم غیب کا قائل ہے، اُس کے متعلق کیا حکم

ہے، میں نے کہا کہ جو شخص علم بلاواسطہ کا قائل ہے وہ تو کافر ہے۔ اور جو علم بواسطہ کا قائل ہو، یعنی خدا کی طرف سے عطا کردہ علم کا، وہ کافر نہیں، اگرچہ وہ علم محیط ہی کا قائل ہو، اگرچہ یہ اعتقاد رکھنا کذب ہے، مگر ہر کذب تو کفر نہیں۔ البتہ عقیدہ کی معصیت فسق ضرور ہے اور میں تو کبھی ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہتا، جو مجھے کافر کہے، کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنا عقیدہ کا گناہ اور فسق ہے، مگر کفر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ بلاضرورت ایسی باتوں میں مصروفیت یہ اس بات کی دلیل ہے۔ (صفحہ ٦٥)

نفس پرستی کا مظاہرہ اظہار حق کی صورت میں

فرمایا، فرد پر اپنی فکر مقدم ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر اظہار حق کی خاطر دوسروں کو تلقین کی جائے تو کیا یہ بھی دوسروں کی فکر میں شامل ہے، فرمایا کہ یہ ذوق سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا مقصد اظہار حق ہے یا دوسروں کے درپے ہونا ہے اور یہ تقریر اور تحریر سے معلوم ہوجاتا ہے، کیونکہ نصرت حق کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ نیز اظہار حق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دوچار بار بات کردی، یہ کیا کہ فرد ساری زندگی اسی میں کھپادیتے ہیں، ایک دوسرے کے مدمقابل بن جاتے ہیں، اظہار حق اس پر تو موقوف نہیں۔ شریعت میں ہر چیز کی حدود ہیں۔ قرآن شریف سے بھی یہی طرز ثابت ہے کہ زیادہ تر حق کو ظاہر فرمایا گیا ہے، مخالف پر زیادہ رد وقد نہیں کی، باقی آجکل تو لوگوں نے اکھاڑے جما رکھے ہیں، ایک مولوی صاحب ''دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں'' کے مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، یہ ان کی نظر میں اتنا اہم تھا، اس میں انہوں نے بڑا وقت کھپا دیا۔ دیوبند سہارنپور۔ دہلی۔ مراد آباد۔ کانپور لکھنؤ اور خدا معلوم کہاں کہاں کے مشاہیر علماء کے دستخط کرانے کے اہتمام میں لگ گئے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب، جس چیز کو تم دین سمجھ رہے ہو، یہ کھلی ہوئی دنیا ہے کہ اس کی وجہ سے تم دین کے اہم کاموں سے رک گئے ہیں۔

جملہ اوراق کتب درنار کن   سینہ را از نور حق گلزار کن

اور اس کا مصداق ہے۔

اور میں نے اُس کا وہ ذخیرہ جلوا دیا، اس کے بعد اُن مولوی صاحب نے دوسروں سے کہا کہ مجھے اس سے اس قدر نفع ہوا کہ جیسے قلب سے پہاڑ ہٹ گیا ہے۔ اور ایک بڑی زبردست بلا سے نجات حاصل ہوگئی، ورنہ قلب ہر وقت اسی اُدھیر بُن میں تھا، نہ نماز میں دل لگ رہا تھا، نہ روزہ میں، نہ قرآن میں، حضرت، مرض کو طبیب ہی پہچانتا ہے، دوسرے کو کیا خبر کہ یہ فرد، دین کی وجہ سے اس میں مشغول ہے یا دنیا اور نفس کی وجہ سے۔ اس قدر کاوش ہے، یہ رنگ تو ایسا ہے جو اظہارِ حق سے زائد ہی ہے، اگر یہ مولوی صاحب کہیں اور جاتے تو اس کے اس کام کو حمایتِ دین سمجھ کر معلوم نہیں، ان کی کس قدر مدح کی جاتی۔ یہاں یہ گت بنی۔ اپنے بزرگوں کا یہی رنگ دیکھا اور یہی پسند ہے، یہ حضرات حکیم تھے، ان کے ہاں ہر چیز حد پر رہتی تھی، دوسروں میں یہ رنگ نہ دیکھا اور نہ ہے۔ (صفحہ ۶۶)

(اصلاح نفس کے لئے خصوصی کاوشوں کے بغیر دینی جدوجہد میں مصروف ہونا ایسا ہے، جیسے وسیع تر جنگل، جس میں ہزاروں درندے رہتے ہوں اور ہزاروں راستے نکلتے ہوں، راہ کے شناسا اور ضروری ہتھیاروں کے بغیر سفر اختیار کیا جائے، ظاہر ہے یہ سفر فرد کے لئے ہلاکت ہی کا ذریعہ بنے گا۔ مرتب)

آبادی چھوڑ کر جنگل بسانا، غلط ہے

فرمایا، ان دوکاندار جاہل پیروں کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی ہے، ان جاہلوں کی ایک من گھڑت ایجاد یہ ہے کہ وہ شرعی طور پر واجب تعلقات کو بھی مضر سمجھتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ آبادی چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں۔ بیوی بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں، اسے دین سمجھتے ہیں، مگر حقیقت میں ایسے تعلقات کا قطع کرنا پسندیدہ نہیں۔ (صفحہ ۶۷)

صوفی پر خاص حالت کا طاری ہونا
اپنی خاص حالت کے حوالے سے گفتگو

فرمایا، ایک زمانہ میں مجھ پر ایک شدید حالت طاری تھی، اُس حالت میں بہت سے لوگوں نے مجھ سے بیعت ہونا چاہا، میں نے انکار کر دیا کہ اس وقت خود

مجھ پر ایک حالت طاری ہے، جو دوسرے کی طرف اصلاحی توجہ دینے میں رکاوٹ ہے، اس لئے مجھ سے کوئی نفع نہ ہوگا، مگر وہ لوگ نہیں مانے اور بیعت ہوئے، مگر نتیجہ وہی ہوا، جو میں نے کہا تھا کہ جس حالت پر وہ لوگ تھے، اُسی حالت پر رہے، حتیٰ کہ اُن کے منکرات تک بھی نہ چھوٹے اور تو کیا ہوتا، یہی ہوا، عارف شیرازی کے اس شعر میں اسی قسم کی حالت کی طرف اشارہ ہے۔

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما   چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر

(صفحہ ۶۹)

(متوسط صوفی کے بارے میں تو یہ مشاہدہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح میں استغراق اور آتش عشق میں جلتے رہنے کے حالات کی وجہ سے دوسروں کی طرف متوجہ ہونے سے قاصر رہتا ہے، چونکہ وہ فنائے نفس کے مراحل میں ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ دوسروں کو اپنے فیوض سے بہرہ ور کر سکے، اس سلسلہ میں یعنی کچھ بھی نہ ہونے کے احساس کے معاملہ میں وہ شدید ہوتا ہے، اس کا قلب دوسروں کی طرف متوجہ ہونے سے اذیت محسوس کرتا ہے، البتہ منتہی صوفی کے لئے دوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی، تاہم منتہی صوفی کو ابتدا میں دوسروں سے عدم التفات اور اپنی حالت میں استغراق کا وقتی طور پر غلبہ ہو سکتا ہے، جس کا اس ملفوظ میں ذکر ہے۔ مرتب)

اصلاح کے خواہشمند طالب کو صحیح مشورہ

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، میرے ایک دوست ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اعتقاداً رجحان تو حضرت والا کی طرف ہے، مگر بعض وجوہ سے طبعی کشش نہیں اور ایک بزرگ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ اعتقادی رجحان اُن کی طرف نہیں، مگر ان سے طبعی کشش ہے، اس صورت میں اُن کو تعلق پیدا کرنے کے لئے کیا مشورہ دوں۔ فرمایا کہ اصل مقصود کام کرنا ہے، اس صورت میں کام کرنے کا مفید طریقہ یہ ہے کہ دونوں جگہ میں سے ابھی کسی کو منتخب نہ کریں، بلکہ کام شروع کر دیں اور اُس کی یہ صورت ہے کہ جو حالات پیش آئیں، اُن کو دونوں جگہ لکھیں اور دونوں

جگہ سے جو جواب آئے، اُن میں جو بات دل کو لگے، نیز عمل کرنے سے نفع معلوم ہو، اُن سے اپنی تعلیم واصلاح کا تعلق رکھیں، خواہ ساری زندگی بیعت نہ بھی ہوں۔ کوئی حرج نہیں، ان کو یہ مشورہ دیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔ (صفحہ ۷۱)

(زیرِ نظر ملفوظ میں اصلاح کے خواہشمند فرد کو صحیح مشورہ دیا گیا ہے کہ اصل مقصد طلب اور فکرمندی ہے اور اصلاح کے لئے بے تابی ہے، یہ پیدا ہوجائے تو کسی بزرگ سے مناسبت بھی پیدا ہوجائے گی، ان سے تعلق رکھنا کافی ہے، بیعت ہونا ضروری نہیں، بیعت کو فرض، واجب اور ناگزیر سمجھنے والے ماحول میں حضرت مولانا تھانویؒ کا یہ موقف ایسا ہے، جو مجتہدانہ ہے اور قلب سلیم کے حامل افراد کو اپیل کرتا ہے۔ مرتب)

دوجگہ بیعت کے تعلق کا نقصاندہ ہونا

فرمایا، اگر مصلح کو طالب سے کسی وجہ سے انقباض پیدا ہوجائے تو وہ فیض کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے، دوسری بات جو قابل تنبیہ ہے، وہ یہ ہے کہ اس طریق میں فیض کا مدار طبعی یکسوئی پر ہے اور ایک وقت میں دو مصلحوں سے تعلق رکھنے میں یکسوئی میسر نہیں ہوسکتی، جیسے ایک وقت میں دو طبیبوں سے رجوع کرنے میں پریشانی ہوتی ہے، ایک طبیب کچھ تجویز کرتا ہے، دوسرا کچھ اور تجویز کرتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے ایک عورت ایک وقت میں دو مردوں سے تعلق رکھنا چاہے، اس وقت شرکاء متشاکسون کا منظر سامنے ہوگا۔ مرد تو دو عورتوں سے ایک وقت میں تعلق رکھ سکتا ہے، مگر عورت دو مردوں سے نہیں رکھ سکتی۔ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنؤ سے یہاں پر آئے تھے، اُن کا بیعت کا تعلق دوسری جگہ تھا، مجھ سے بھی بیعت ہونا چاہتے تھے، میں نے معذرت کردی کہ جب دوسری جگہ تعلق قائم ہے تو پھر یہاں تعلق رکھنا مناسب نہیں۔ اس پر اُنہوں نے سوال کیا کہ کیا دوسری جگہ بیعت ہونا منع ہے یا گناہ ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث سے ممانعت ثابت ہے، اس پر بہت چونکے کہ حدیث سے اس کا کیا تعلق۔ اُن بیچاروں نے کبھی ایسی باتیں سنیں بھی نہ تھیں،

ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم ہی عامل بالحدیث ہیں۔ میں نے کہا کہ حُب فی اللہ مطلوب اور مامور بہ ہے تو اس کے خلاف کرنا گناہ ہوگا۔ کہا بیشک۔ میں نے کہا کہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کو یہ سن کر کہ ہم سے تعلق رکھنے والے نے دوسری جگہ خصوصیت کا تعلق قائم کرلیا ہے، ان کو رنج ہوتا ہے اور وہ رنج ایذاء اور حب فی اللہ کے کمزور ہوجانے کا سبب بن جاتا ہے تو یہ حدیث کے خلاف ہوا یا نہیں، مان گئے۔ (صفحہ ۷۳)

رومال سے چہرہ کو ڈھکنے کی ہیت اختیار کرنا

ایک صاحب مجلس میں اس طرح بیٹھے تھے کہ سارا چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا، حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ چوروں کی طرح یا سی آئی ڈی والوں کی طرح کیوں بیٹھے ہو، کیا مجلس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے، آخر یہ عورتوں کا سا گھونگھٹ کیوں نکال رکھا ہے، اگر اس کی کوئی خاص وجہ ہوتو بیان کرو، تاکہ معلوم ہو۔ عرض کیا کہ کوئی خاص وجہ تو نہیں۔ فرمایا، پھر اس حرکت کا منشا کیا ہے۔ انہوں نے اس کا جواب اس قدر آہستہ دیا کہ کوئی بھی نہ سُن سکا، فرمایا، دیکھا گھونگھٹ کا اثر، آواز بھی عورتوں جیسی ہوگئی، کیا حلق بند ہوگیا ہے، فرد کم از کم اس طرح تو بولے کہ دوسرا سُن لے، یہ تکلیف کی دوسری حرکت شروع کی، عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ (صفحہ ۷۴)

(معاشرہ میں دیندار لوگوں میں سے کافی ایسے افراد دیکھے ہیں، جو بیٹھتے وقت یا چلتے وقت چادر سے اپنا سارا چہرہ چھپا لیتے ہیں۔ اس طرح وہ دوسروں کے لئے عجوبہ بن جاتے ہیں۔ اور دینداروں کے لئے مذاق کا موجب بھی بنتے ہیں۔ شاید وہ اسے نیکی اور بزرگی سمجھتے ہیں۔ دینداروں کی اس ہیت کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس غلطی کی نشاندہی کرکے، ایسے دینداروں کو سوچنے کا موقعہ فراہم کردیا ہے۔ مرتب)

ایک غیر مقلد کی طرف
سے اللہ کا نام بتا دینے کا خط آنا

فرمایا، ایک غیر مقلد صاحب کا خط آیا تھا کہ مجھے بھی اللہ کا نام بتادو، میں

جگہ سے جو جواب آئے، اُن میں جو بات دل کو لگے، نیز عمل کرنے سے نفع معلوم ہو، اُن سے اپنی تعلیم واصلاح کا تعلق رکھیں، خواہ ساری زندگی بیعت نہ بھی ہوں۔ کوئی حرج نہیں، ان کو یہ مشورہ دیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔ (صفحہ۷۱)

(زیرِ نظر ملفوظ میں اصلاح کے خواہشمند فرد کو صحیح مشورہ دیا گیا ہے کہ اصل مقصد طلب اور فکرمندی ہے اور اصلاح کے لئے بے تابی ہے، یہ پیدا ہوجائے تو کسی بزرگ سے مناسبت بھی پیدا ہوجائے گی، ان سے تعلق رکھنا کافی ہے، بیعت ہونا ضروری نہیں، بیعت کو فرض، واجب اور ناگزیر سمجھنے والے ماحول میں حضرت مولانا تھانویؒ کا یہ موقف ایسا ہے، جو مجتہدانہ ہے اور قلب سلیم کے حامل افراد کو اپیل کرتا ہے۔ مرتب)

دوجگہ بیعت کے تعلق کا نقصاندہ ہونا

فرمایا، اگر مصلح کو طالب سے کسی وجہ سے انقباض پیدا ہوجائے تو وہ فیوض کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے، دوسری بات جو قابل تنبیہ ہے، وہ یہ ہے کہ اس طریق میں فیض کا مدار طبعی یکسوئی پر ہے اور ایک وقت میں دو مصلحوں سے تعلق رکھنے میں یکسوئی میسر نہیں ہوسکتی، جیسے ایک وقت میں دو طبیبوں سے رجوع کرنے میں پریشانی ہوتی ہے، ایک طبیب کچھ تجویز کرتا ہے، دوسرا کچھ اور تجویز کرتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے ایک عورت ایک وقت میں دو مردوں سے تعلق رکھنا چاہے، اس وقت شرکاء متشاکسون کا منظر سامنے ہوگا۔ مرد تو دو عورتوں سے ایک وقت میں تعلق رکھ سکتا ہے، مگر عورت دو مردوں سے نہیں رکھ سکتی۔ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنؤ سے یہاں پر آئے تھے، اُن کا بیعت کا تعلق دوسری جگہ تھا، مجھ سے بھی بیعت ہونا چاہتے تھے، میں نے معذرت کردی کہ جب دوسری جگہ تعلق قائم ہے تو پھر یہاں تعلق رکھنا مناسب نہیں۔ اس پر اُنہوں نے سوال کیا کہ کیا دوسری جگہ بیعت ہونا منع ہے یا گناہ ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث سے ممانعت ثابت ہے، اس پر بہت چونکے کہ حدیث سے اس کا کیا تعلق۔ اُن بیچاروں نے کبھی ایسی باتیں سنیں بھی نہ تھیں، ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم ہی عامل بالحدیث ہیں۔ میں نے کہا کہ حُب فی اللہ مطلوب اور مامور بہ ہے تو اس کے خلاف کرنا گناہ ہوگا۔ کہا بیشک۔ میں نے کہا کہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کو یہ سن کر کہ ہم سے تعلق رکھنے والے نے دوسری جگہ خصوصیت کا تعلق قائم کرلیا ہے، ان کو رنج ہوتا ہے اور وہ رنج ایذاء اور حب فی اللہ کے کمزور ہوجانے کا سبب بن جاتا ہے تو یہ حدیث کے خلاف ہوا یا نہیں، مان گئے۔ (صفحہ۷۳)

رومال سے چہرہ کو ڈھکنے کی ہیت اختیار کرنا

ایک صاحب مجلس میں اس طرح بیٹھے تھے کہ سارا چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا، حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ چوروں کی طرح یا سی آئی ڈی والوں کی طرح کیوں بیٹھے ہو، کیا مجلس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے، آخر یہ عورتوں کا سا گھونگھٹ کیوں نکال رکھا ہے، اگر اس کی کوئی خاص وجہ ہو تو بیان کرو، تاکہ معلوم ہو۔ عرض کیا کہ کوئی خاص وجہ تو نہیں۔ فرمایا، پھر اس حرکت کا منشا کیا ہے۔ انہوں نے اس کا جواب اس قدر آہستہ دیا کہ کوئی بھی نہ سُن سکا، فرمایا، دیکھا گھونگھٹ کا اثر، آواز بھی عورتوں جیسی ہوگئی، کیا حلق بند ہوگیا ہے، فرد کم از کم اس طرح تو بولے کہ دوسرا سُن لے، یہ تکلیف کی دوسری حرکت شروع کی، عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ (صفحہ۷۴)

(معاشرہ میں دیندار لوگوں میں سے کافی ایسے افراد دیکھے ہیں، جو بیٹھتے وقت یا چلتے وقت چادر سے اپنا سارا چہرہ چھپا لیتے ہیں۔ اس طرح وہ دوسروں کے لئے عجوبہ بن جاتے ہیں۔ اور دینداروں کے لئے مذاق کا موجب بھی بنتے ہیں۔ شاید وہ اسے نیکی اور بزرگی سمجھتے ہیں۔ دینداروں کی اس ہیت کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس غلطی کی نشاندہی کرکے، ایسے دینداروں کو سوچنے کا موقعہ فراہم کردیا ہے۔ مرتب)

ایک غیر مقلد کی طرف
سے اللہ کا نام بتادینے کا خط آنا

فرمایا، ایک غیر مقلد صاحب کا خط آیا تھا کہ مجھے بھی اللہ کا نام بتادو، میں

نے لکھا ہے کہ مجھے عذر نہیں، مگر اول یہ بتادو کہ تم میری تقلید بھی کروگے یا نہیں۔ بیچارا بہت گھبرایا، کیونکہ اگر لکھتا ہے کہ تمہاری تقلید نہ کروں گا تو اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب میرا اتباع نہ کروگے تو تعلیم سے کیا فائدہ اور اگر لکھتا ہے کہ کروں گا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تو تقلید کرتے نہیں، میری کیسے کروگے، اس لئے جواب سے عاجز ہو کر لکھا کہ اس سوال کو چھوڑ دو، اللہ کا نام بتادو، حالانکہ اس کا بہت آسان جواب تھا، وہ یہ کہ تمہاری تقلید کروں گا اور اس پر جو سوال ہوتا، اُس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری تقلید احکام میں تو نہ ہوگی، محض اعمال کی تدابیر میں ہوگی، جیسے طبیب کی تقلید تدابیر میں کی جاتی ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تقلید، احکام میں کرائی جاتی ہے، مگر اُس سے جواب نہ بن سکا۔ (صفحہ۷۶)

کچھ ابن تیمیہ اور امام ابوحنیفہ کی تقلید کے حوالے سے گفتگو

فرمایا، یہاں ایک غیر مقلد عالم پنجاب سے آئے تھے، دوران گفتگو میں نے اُن سے کہا کہ اصل مدار اعتقاد اور عدم اعتقاد اور حسن ظن اور سوء ظن کا ہے، آپ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے معتقد ہیں، وہ اگر بے دلیل بھی کوئی بات کہیں تو آپ کو شبہ نہیں ہوتا، حالانکہ میں اُن کا ایک رسالہ دکھاؤں، جس میں دھڑا دھڑ یجوز لا یجوز کہتے چلے جاتے ہیں اور دلیل ندارد، مگر آپ کو اُن پر اعتماد ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، قرآن وحدیث سے کہتے ہیں، آپ بلا تردد اس کو قبول کرتے ہیں، حالانکہ بہت سے دعووں کے باوجود قرآن وحدیث کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ اور ہمیں اسی طرح کا اعتماد امام ابوحنیفہ پر ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، قرآن وحدیث ہی سے کہتے ہیں۔ ہماری تقلید اور آپ کی تقلید میں مابہ الفرق کچھ بھی نہیں۔ اس تقریر کا اُن پر بیحد اثر ہوا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، اس میں کوئی بناوٹ نہیں کہ اطمینان وعدم اطمینان کا مدار صرف حسن ظن اور سوء ظن ہے، جس کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے، اُس پر اعتماد ہوتا ہے، اُس کی ہر بات مقبول ہوتی ہے، جس کے ساتھ سوء ظن ہوتا ہے، اُس کی ہر بات غیر مقبول ہوتی ہے۔ (صفحہ۷۷)

غیر تربیت یافتہ فرد کے دل کا زیرو زبر ہوتے رہنا

فرمایا، غیر تربیت یافتہ فرد، ہمیشہ متزلزل ہی رہتا ہے، اس میں رسوخ تو ہوتا نہیں، اس لئے وقت اور موقع پر اس کا قلب زیر وزبر ہوجاتا ہے، اس کے قلب کو تھامنے والی کوئی چیز تو ہوتی نہیں، اس لئے اس کا زہد وتقویٰ، ذکر وشغل، علم وفضل دھرا رہ جاتا ہے، بالکل وہ مثال ہوجاتی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ نے ایک بلی کو تعلیم دی تھی کہ اُس کے سر پر شب کو چراغ رکھ دیتا، وہ چراغ لئے کھڑی رہتی، جب بادشاہ کو اپنی تعلیم پر اطمینان ہوگیا تو ایک روز بادشاہ نے وزیر سے اُس کی تعریف کی کہ ہماری بلی بڑی تعلیم یافتہ ہے، بڑی مہذب ہے، وزیر نے کہا کہ حضور، امتحان بھی کرلیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ امتحان کیسا، وزیر نے ایک چوہا پکڑوایا اور پوشیدہ کر لیا۔ بلی کے سر پر چراغ رکھا گیا، اُس وقت اُس کے سامنے چوہا چھوڑ دیا۔ بلی کا چوہے کو دیکھنا تھا کہ ایک دم بلی بھاگی، چراغ کہیں، چوہا کہیں، وہ سال دو سال کی تعلیم اور تہذیب آن واحد میں ختم ہوگئی۔ یہی حالت غیر تربیت یافتہ فرد کی ہوتی ہے کہ اس کی کسی بات پر اعتماد واعتبار نہیں ہوتا۔ (صفحہ۷۹)

(غیر تربیت یافتہ سے فرد سے مراد مبتدی طالب بھی ہو سکتا ہے، جسے ابھی نفس شناسی کے ہزاروں مراحل طے کرنے ہیں، اس کے جذبات وخواہشات میں ہر آن تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نفس کے ایک حملہ سے بمشکل بچنے میں کامیاب ہوا ہے کہ اندر سے دوسری نئی طوفانی لہریں آ کر، اس کے داخلی نظام کو زیروزبر کر دیتی ہیں، اس لئے ایک بہت بڑے شیخ کا کہنا ہے کہ مبتدی کا نفس، شرارت میں شیطان سے زیادہ شریر ہے، جب مبتدی کے نفس کی یہ حالت ہے تو عام فرد کی جو حالت ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مرتب)

صدیوں کے بعد ایسی شخصیتوں کا پیدا ہونا

فرمایا، اپنے ان حضرات اور دوسرے بزرگوں کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جماعت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان میں پہلی جماعت حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ والی تھی، اُس کے بعد حضرت مولانا گنگوہی ومولانا

نانوتوی کا طبقہ ہوا۔ ان حضرات کے واقعات۔ معاملات۔ تحقیقات۔ علوم۔ اعمال۔ تدین۔ تقوی اور بے نفسی سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت جامع شان رکھتے تھے۔ ان حضرات کا ہر کام خلوص پر مبنی ہوتا تھا اور حق کیلئے ہوتا تھا اور یہ ان حضرات کے خلوص نیت کے ثمرات ہیں کہ لاکھوں، کروڑوں مخلوق گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہی، ورنہ یہ زمانہ سخت پر آشوب زمانہ ہے، چہار طرف سے فتن اور ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ ان بزرگوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے ذکر میں ایک خاص برکت معلوم ہوتی ہے اور قلب کو کشش محسوس ہوتی ہے۔ ان کا جب کبھی ذکر شروع کردیتا ہوں، قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ (صفحہ ۸۵)

شیخ کی خدمت میں بکثرت حاضر ہونے کے اثرات

فرمایا، شیخ کی خدمت میں بکثرت حاضر ہونے سے جو بات میسر ہوتی ہے، وہ بات کتابیں دیکھنے سے نصیب نہیں ہوسکتی۔ کتاب دیکھنے کے منافع دوسرے ہیں۔ صحبت کے منافع دوسرے ہیں۔ آج کل لوگ اس فرق کو سمجھتے نہیں، اس لئے اتباع کے بجائے ہر جگہ اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں، جو خود ایک مستقل مرض ہے، جس کا تعلق اُسی خود رائی سے ہے، اس کا علاج بھی شیخ کو اطلاع کرنے اور اُس کی بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے ہوسکتا ہے، اس لئے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ کسی کامل کی تلاش کی جائے اور اُس کا کامل اتباع کیا جائے، اس کے بغیر اس راہ میں ہرگز قدم نہ رکھا جائے، ورنہ سخت خطرہ ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرد — بے قلاؤز اندریں صحرا مرد

(صفحہ ۸۵)

تقوی سے علوم میں گہرائی کا حاصل ہونا

فرمایا، علوم کی بھی قسمیں ہیں، بعض کا علم تو طولی عرضی ہوتا ہے اور بعض کا عمیق ہوتا ہے جس میں تقوی کو خاص دخل ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی علم کی شان

خاص کے بہت اسباب ہیں، جن میں سب سے بڑا سبب تقوی ہے، ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں، اُنہوں نے ایک مرتبہ اپنے استاد سے نقل کیا کہ تبحر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تبحر کدو ہے دوسری تبحر مچھلی ہے، کدو تو سمندر پر اوپر ہی اوپر پھر جاتا ہے، مگر اس کو اندر کی کچھ خبر نہیں ہوتی، جب کہ مچھلی سمندر کی گہرائی تک پہونچتی ہے تو آج کل کے اکثر تبحر کدو تبحر ہیں۔ جن کی نظر محض سطحی ہے۔ (صفحہ ۸۶)

علوم کی تدوین کی ضرورت

فرمایا، علوم کی تدوین کی ضرورت کیوں ہوئی؟ تدوین علوم کی ضرورت بعد کے زمانہ میں ہوئی، ورنہ اگر حافظہ اور دین دونوں موجود ہوں تو تدوین کی کچھ بھی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ ایک تو دین پر اعتماد میں کمی آئی اور اگر دین پر اعتماد بھی ہو تو حافظہ کی کمی سے بھول جانے کا اندیشہ ہوجاتا ہے۔ اسلئے تدوین کی ضرورت ہوئی اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ تدوین میں بھی تحریف کی جانے لگی ہے، سو اس وقت تو تدوین کا درجہ واجب سے بھی زائد ہوگیا۔ (صفحہ ۸۶ جلد ہشتم)

اصلاح کے نازک کام کے لئے
ماہر فن کا ہونا ضروری ہے

فرمایا، تربیت واصلاح کا کام بڑا نازک کام ہے، اس میں بڑے ماہر فن کی ضرورت ہے، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا، بزرگ ہونا، قطب ہونا غوث ہونا ضروری نہیں، ماہر فن ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر اصلاح اور تربیت نہیں ہوسکتی۔

پھر ایک سوال پر فرمایا کہ شیخ کا متقی، پرہیزگار زاہد عابد ہونا بھی ضروری نہیں، جیسے جسمانی طبیب کہ وہ خود کیسا ہی بدپرہیز ہو، لیکن ماہر فن ہو، اگر فن دان ہے اور حاذق ہے تو علاج کرسکتا ہے۔ ہاں، اگر مہارت کیساتھ شیخ میں یہ چیزیں بھی موجود ہوں تو اُس کی تعلیم میں برکت ضرور ہوگی، ورنہ فی نفسہ تربیت کے لئے ضروری

نہیں، آج کل آثار کا جو علاج ہوتا ہے، مشائخ کے یہاں بھی اور طبیبوں کے یہاں بھی اسباب کا علاج نہیں ہوتا، یہ بھی عدم مہارت کی دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ طالب میں انسانیت پیدا نہیں ہوتی، چاہے اور سب کچھ ہوجائے۔ مولوی ظفر احمد، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، ایک مرتبہ اُنہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمادیں کہ میں صاحب نسبت ہوجاؤں۔ فرمایا کہ تم صاحب نسبت تو ہو، مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور وہ اپنے ماموں سے کراؤ۔ یہ میری طرف اشارہ تھا، تب مولوی ظفر احمد نے مجھ سے رجوع کیا۔ تو صاحب نسبت ہوجانا جدا چیز ہے، اصلاح جدا چیز ہے، یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، جو آج کل خلط ملط ہوگئی ہیں، یہ سب طریق سے بے خبری کی باتیں ہیں۔ (صفحہ۹۰)

(اصلاح کے لئے ماہر فن کا ہونا ضروری ہے، یہ نکتہ مولانا تھانویؒ نے متعدد بار بیان فرمایا ہے۔ جو بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ راہ سلوک میں طالب کو دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے اور بے شمار خلجانوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مبتدی ومتوسط طالب کو تو شریعت پر چلنے میں سخت دشواری بھی محسوس ہوتی ہے، انہیں قیامت سے پہلے قیامت کے منظر سے گذرنا پڑتا ہے، ان حالات میں اگر بزرگ، ماہر فن نہیں ہے تو طالبوں کی تربیت کرنا، انہیں مشکل سے مشکل حالات سے نکالنے کی تدابیر اختیار اس کے لئے دشوار ہوتی ہے۔ اور طالبوں کے اذیت کے حالات سے نکالنے اور انہیں تسلی دینے کی صورت پیدا ہونے نہیں پاتی۔ مرتب)

سرسید احمد خان کا مولانا گنگوہیؒ
اور مولانا نانوتویؒ کو پیام اور اس کا بصیرت افروز جواب

فرمایا، ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے، سرسید نے جب علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے اپنے ایک صاحب سے کہا کہ تم گنگوہ جاؤ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے بعد سلام مسنون میری جانب سے عرض کرو کہ

اس وقت مسلمانوں کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے، اس کے مقابل دوسری غیر مسلم قومیں ترقی کررہی ہیں، مسلمانوں کی ترقی کے لئے انگریزی تعلیم کیلئے ایک کالج کی بنیاد ڈالی ہے، اس کام میں آپ بھی شرکت فرمائیں اور ہاتھ بٹائیں تو بہت جلد کامیابی حاصل ہوجائے گی۔ یہ صاحب پیر جی محمد عارف صاحب تھے۔ یہ پیرجی گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ وہ سرسید کی طرف سے پیغام لے کر آئے ہیں، اس کے بعد وہ پیام پیش کیا، حضرت نے پیام سن کر فرمایا کہ میری تو ساری عمر قال اللہ وقال رسول اللہ میں گذری ہے، مجھے ان چیزوں کا زیادہ تجربہ نہیں، ہاں، مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو ان چیزوں میں زیادہ بصیرت حاصل ہے، اُن سے جاکر بیان کیجئے، وہ اگر شرکت کو قبول فرمائیں گے تو ہم سب اُن کے ساتھ ہیں۔ یہ گفتگو ہونے پائی تھی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ تشریف فرما ہوئے، مولانا کی آمد اتفاقی تھی۔ پیر جی صاحب نے سرسید کا پیام اُن کو پہونچایا، حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ پیر جی، لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص ہوتا ہے، جس کی نیت اچھی ہے، مگر عقل نہیں ہوتی، دوسرا وہ شخص ہے، جس میں عقل ہوتی ہے، مگر نیت اچھی نہیں ہوتی، تیسرا وہ شخص ہوتا ہے کہ اُس کی نہ نیت اچھی ہوتی ہے اور نہ عقل ہوتی ہے، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کی نیت اچھی نہیں، کیا خبر ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اُن کو عقل کافی نہیں، اس لئے کہ وہ جس چیز کے ذریعہ مسلمانوں کو معراج ترقی پر لے جانا چاہتے ہیں، وہی چیز تو ان کے تنزل کا سبب ہوگی اور تباہی اور بربادی کا بھی۔

پیر جی صاحب نے عرض کیا کہ جس چیز کی کمی حضرت نے سرسید میں محسوس فرمائی ہے، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے تو آپ حضرات کی شرکت کی ضرورت ہے۔ مولانا نے اس کا جو جواب دیا، غیر عارف اس کا جواب دے ہی نہیں سکتا تھا، حضرت مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ جی ہاں، یہ تو صحیح ہے، لیکن جس کام کا بانی اپنے کام کی بنیاد میں جو چیز شامل کرتا ہے، اُس کے جذبات اور نیت کے آثار اُس چیز میں پیوست ہوجاتے ہیں، وہ اُس سے جدا نہیں ہوتے اور اس شخص کے شروع

کردہ کام اور اس کی بنیاد کی اصلاح نہ صرف مشکل ہے، بلکہ عادۃً محال ہے اور اس
کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک تلخ درخت بویا جائے اور ایک بزرگ کو شربت کا مٹکا
دیکر عرض کیا جائے کہ وہ اس کی بنیاد میں ڈالتا رہے، مگر جب وہ درخت برگ وبار
پھل وپھول لائے گا تو وہ سب تلخ ہونگے، اسی طرح یہاں بھی کسی عالم اور بزرگ
کو شریک کر کے، اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے، تب بھی یہ کمی پوری نہیں
ہوسکتی، یہ تو ممکن ہے کہ خود شرکت کرنے والے میں اس کے اثرات آجائیں،
چنانچہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جب یہ لوگ علی گڑھ کالج کو بند کرنے کے ارادہ
سے علی گڑھ پھونچے اور وہاں انہوں نے یہی کہا کہ مسلمانوں کو سارے نقصانات اس
کالج اور اس کی تعلیمات کی بدولت پہونچے ہیں، اس نے ہندوستان میں انگریزیت،
عیسائیت اور دہریت کو فروغ دیا ہے، یہ کہنے والے بڑے بڑے مسلمان لیڈر تھے،
جو اسی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ میں نے سن کر کہا کہ یہ لوگ تو پچاس برس کے تجربہ
کے بعد اس بات کو سمجھتے ہیں، جب کہ ہمارے ایک مبصر نے یہی بات اس کی بنیاد
پڑتے وقت کہہ دی تھی کہ اس کے یہ نتائج ظاہر ہونگے۔ (صفحہ۹۹۔۱۰۰ ہشتم)

(مولانا نانوتویؒ کی بیان کردہ اس بات سے اداروں اور جماعتوں کے حوالے
سے ایک بڑا نکتہ جو سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ ادارے اور جماعتیں بانی شخصیت
کے جذبات، احساسات، تصورات اور متعین اہداف کے تابع ہوتی ہیں۔ جماعتوں
واداروں کو بانی شخصیتوں کے تصورات واہداف سے ہٹا کر، ان کی بنیاد میں نئی
چیزوں کو شامل کرنا یا ان کے رخ کو دوسری طرف موڑنا عملاً دشوار تر ہی نہیں، بلکہ
ناممکنات میں سے ہے، اس لئے کہ اداروں اور جماعتوں کی بنیاد میں بانی شخصیت
کے تصورات واثرات نقش ہوجانے کی وجہ سے انہیں اس کی بنیاد سے جدا نہیں کیا
جاسکتا، ادارے اور جماعتیں بے اثر وبے وقعت تو ہوسکتی ہیں اور فنا سے بھی دوچار
ہوسکتی ہیں، لیکن بانی شخصیت کے اہداف سے ہٹ کر، ان میں حقیقی بہتری واصلاح
کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ نکتہ ہے جو خاصان حق کو تو مشاہد ہوتا ہی ہے،
لیکن طویل تجربات ومشاہدات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ مرتب)

انگریزی تعلیم یافتہ افراد کا
بناؤ سنگھار کے مرض میں مبتلا ہونا

فرمایا، انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں بناؤ سنگھار زیادہ ہے۔ اس میں بڑا وقت
صرف کرتے ہیں۔ انہوں نے تو عورتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، عورتوں کا بناؤ سنگھار تو
خاوند کے واسطے ہوتا ہے اور بازاری عورتوں کا دوسروں کو پھنسانے کے لئے، مگر ان
سے کوئی پوچھے کہ ان کا سنگھار کس کے لئے ہے۔ پھر ان پابندیوں کے باوجود کہتے
ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ کیا آزادوں کی یہی حالت ہوتی ہے، ہاں، اللہ اور رسول سے
ضرور آزاد ہیں، گھر سے اُس وقت نکلیں گے، جب پہلے کنگھی چوٹی کرلیں گے، مانگ
پٹی جمالیں گے۔ خوب آراستہ پیراستہ ہوئیں گے، یہ تن آرائی وتن پروری انگریزی
تعلیم یافتہ افراد خاصہ ہے، انگریزی پڑھ کر یہی تو ایک دولت نصیب ہوئی، محض اس
کے لئے دین کو خیرباد کہا، امراض کی مختلف قسمیں ہیں، کسی کو حب مال کا مرض
ہے کسی کو حب جاہ کا، ان کو دوسرے امراض کے ساتھ تن آرائی کا مرض بھی
لاحق ہے۔ (صفحہ۱۰۱)

(اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے خوبصورت حیثیت سے پیش کرنے کے
لئے بناؤ سنگھار کے مصنوعی طریقے اختیار کرنا، یہ موجودہ مادہ پرست دور کا خاصہ
ہے۔ یہ اس بات کی بھی علامت ہے کہ فرد کا دل محبوب حقیقی کی محبت سے خالی
ہے۔ محبوب کے انوار حسن سے فیضیابی کے بعد بناؤ سنگھار کے ذریعہ ظاہری حسن
کی نمائش کی تمنا باقی نہیں رہتی۔ مرتب)

حاجی وارث علی صاحب کی مرید خاتون سے گفتگو

حاجی وارث علی صاحب کی ایک خاتون مرید کے حوالے سے گفتگو کرتے
ہوئے فرمایا، اُنہوں نے کہا کہ میں حاجی وارث علی صاحب سے مرید ہوں۔ پہلے تو
میری یہ حالت تھی کہ نماز میں دل لگتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں ایک وسیع
میدان میں ہوں اور دل میں فرحت اور ذوق شوق کی حالت غالب ہے۔ اب میری
وہ حالت نہیں رہی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کو حقیقت کس طرح سمجھاؤں۔

خیر میں نے اختیاری وغیر اختیاری کے مسئلہ پر تقریر کی۔ مگر اُس تقریر کرنے میں بڑی تنگی ہوئی، اس لئے کہ اُن کے مذاق اور فہم کی رعایت کر کے تقریر کرنا پڑی۔ تقریر کے بعد میں نے گھر میں سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ یہ سمجھ گئیں یا نہیں۔ کہا کہ سمجھ گئی۔ اور قرائن سے امید بھی یہی معلوم ہوئی کہ سمجھ گئی ہونگی۔ تقریر نہایت سہل تھی اور یہی سبب تھا تنگی کا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اب میں صاف بات کہتا ہوں، تاکہ دھوکہ میں نہ رہو۔ وہ یہ ہے کہ تم حاجی وارث علی سے مرید ہو، ہم اُن کو اچھا نہیں سمجھتے، وہ پابند شریعت نہیں۔ اگر تم اُن سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو ہم سے نہ رکھو اور اگر ہم سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو اُن سے مت رکھو، یہ میں نے اس لئے کہدیا کہ اسے دھوکہ نہ ہو۔ حاجی وارث علی کی یہ حالت تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جوان عورتوں سے ہاتھ پیر دبواتے تھے، اُن پر عجیب قسم کی حالت رہتی تھی۔ ربودگی کا سا غلبہ رہتا تھا۔ لیکن ایسے بھی نہ تھے کہ ہوش نہ ہو۔ استغراق والوں جیسی حالت تھی، مگر اُس کو صوفیہ کا سا استغراق بھی نہیں کہہ سکتے، ہاں، کاہنوں کی سی حالت کہہ سکتے ہیں۔ بالکل کاہنوں کی سی حالت تھی۔ ایک نہایت معتبر اور ثقہ شخص نے مجھ سے بیان کیا تھا، ان راوی کا نام باقر علی تھا۔ نواب قطب الدین خان صاحب کے مرید تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ پہلے یہ نماز کے بڑے پکے پابند تھے، مگر حج سے آ کر نماز چھوڑ دی، وہ کہتے تھے کہ میں نے خود حاجی وارث علی سے پوچھا تھا کہ نماز کیوں چھوڑ دی ہے۔ جواب میں کہا کہ میں نے ایک سفلی عمل پڑھا ہے، اگر نماز پڑھوں گا تو وہ جاتا رہے گا۔ کچھ تعجب نہیں، یہی بات ہو۔ حالت بظاہر ایسی ہی تھی۔ (صفحہ ۱۱۴)

(ہمارے ہاں سندھ میں ایسی متعدد مشہور درگاہیں ہیں، جن کے مریدوں میں مسلمان اور ہندو دونوں شامل ہیں، ان درگاہوں کے بزرگوں کے ہاں نماز و شریعت کی کوئی اہمیت نہیں۔ بس سماع، عشق اور نفسی خواہشات کو تابع کرنے پر زور ہے۔ بھوکا رہنے اور کم بولنے کی تاکید ہے۔ اسلامی عقیدے اور اسلامی شریعت نہ دارد، ایسی بزرگی کو اسلام سے دوری کے علاوہ کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ مرتب)

توجہ سے وقتی کیفیات کا حاصل ہونا

فرمایا، مجاہدوں اور ریاضتوں کے بغیر کسی تصرف کرنے والے کی توجہ سے بھی کام ہو سکتا ہے، لیکن نادرا اور النادر کالمعدوم، باقی توجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ وہ وقتی نوعیت کی ہوتی ہے، اس سے رسوخ بھی نہیں ہو سکتا، جو اصل اور روح ہے طریق کی، یہ سعادت تو مجاہدات ریاضات اور اعمال کی پابندی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ذکر و شغل کے مجاہدوں کے بعد فرد کے حالات میں زوال نہیں ہوتا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ شرط یہ ہے کہ فرد مسلسل اپنی نگرانی کرتا رہے (یعنی غیر معمولی مجاہدوں اور حالت فنا سے حالت بقا میں آنے کے بعد صوفی اگر خود احتسابی سے کام لیتا رہے گا، روزانہ کے گھنٹہ ڈیڑھ کے ذکر و فکر کے معمولات کو جاری رکھے گا تو انشاء اللہ نفسی قوتیں اس پر غالب نہیں ہونگی۔ مرتب)

آج کے نقشبندیوں میں مشاہدات کو زیادہ اہمیت دینے کی روش

فرمایا، نقشبندی تو متبع سنت میں مشہور ہی ہیں، لیکن عملاً اُن سے زیادہ چشتیہ متبع سنت ہیں۔ البتہ جو محض چشتیہ ہونے کے مدعی ہیں اور جاہل اور غالی ہیں، اُن کی نسبت میں نہیں کہتا، لیکن اہل حق اور اہل علم چشتیہ ہیں، نقشبندیوں سے بھی زیادہ متبع سنت ہیں، جیسا اُن کے اصول سے معلوم ہوتا ہے اور نقشبندیوں میں بھی سب محقق نہیں تو وہ متبع سنت بھی کامل نہیں ہو سکتے، چنانچہ ایک نقشبندی، جو عالم بھی تھے اور مشائخ میں سے بھی مشہور تھے، اُن کی ایک بات سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ ایک صاحب، جو ذاکر شاغل ہیں، اُن نقشبندی صاحب کو بزرگ سمجھ کر، اُن سے ملنے کے لئے گئے، ان بزرگ نے ان سے اول سوال کیا کہ کچھ ذکر و شغل بھی کرتے ہو، اول تو ان کا یہ سوال ہی غیر مناسب تھا، اس لئے کہ ذکر و شغل بندہ اور خدا کے درمیان ایک رازدارانہ معاملہ ہے، طالب کو تو چھپانا چاہئے، خیر بتا دیا، اس کے بعد بزرگ نے پوچھا، کچھ نظر بھی آتا ہے، اُنہوں نے کہا، نظر تو کچھ نہیں آتا۔ اس پر بزرگ کہتے ہیں، خیر بہتر ہے کئے جاؤ، باقی نفع کچھ نہیں، ان کی یہ بات بن کر مجھے حیرت

ہوگئی کہ اہل علم اور مشائخ میں سے ہوکر بالکل عامیانہ بات کہی، کیا ثواب سے بڑھ کر کوئی چیز ہے، جو مقصود ہے، بلکہ تصوف میں جو چیزیں مقصود سمجھی جاتی ہیں، ان سے مقصود بھی یہی ہے۔ اور اگر کچھ عجیب چیزیں نظر آنا مقصود ہیں تو کچھ روپیہ صرف کرکے، کسی بڑے شہر میں چلے جایئے۔ مثلاً بمبئی ہے، کلکتہ ہے، رنگوں ہے۔ شملہ ہے، بہت عجیب چیزیں نظر آجائیں گی، اہل تصوف کی ایسی چیزوں نے ہی لوگوں کو اعتراض کا موقع دیا ہے۔ غیر مقلد، جو صوفیوں سے زیادہ برہم ہیں، وہ ان خرافات کی وجہ سے ہیں، حالانکہ تصوف کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں، نہ تصوف ان چیزوں کا نام ہے، تصوف تو نام ہے اتباع سنت کا، اعمال کی اصلاح کا، ان اعمال کے رسوخ کے لئے، مشائخ کے یہاں ذکر و شغل کی تعلیم کی جاتی ہے، یہ چیزیں تصوف کا حصہ نہیں، مگر لوگوں نے تصوف سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کو تصوف کا حصہ مشہور کردیا ہے، معترضین نے بھی حقیقت پر نظر نہیں کی اور انہوں نے اصل تصوف پر اعتراضات شروع کردیئے، یہ اُن کی زیادتی ہے، کہیں افراط ہے، کہیں تفریط۔ (صفحہ ۱۳۰ حصہ ہشتم)

(یہاں نقشبندی سلسلہ میں شروع کردہ جس کمزوری کا ذکر فرمایا گیا ہے، بدقسمتی سے اس وقت نقشبندی سلسلہ کے ایک بڑے طبقہ میں دوسری دنیا کے مشاہدات اور تصرفات جیسی چیزیں فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ انہی چیزوں کو بزرگی و درویشی کا کمال و معراج سمجھا جانے لگا ہے اور مریدوں میں یہی بات راسخ کی جارہی ہے کہ روحانی دنیا کے مشاہدات کے بغیر روحانی ترقی نہیں ہوسکتی، ذکر وفکر، شریعت پر استقامت سے چلتے رہنے کی استعداد کا حاصل ہونا اور آتش عشق میں جلتے رہنے سے زیادہ روحانی مشاہدات ہی کو اصل مقصود سمجھا جانے لگایا ہے، اس لئے تقریروں اور گفتگو میں اس پر زیادہ زور ہے، جو بڑی غلط فہمی ہے۔ مرتب)

شرعی عذر کے بغیر اصلاح کا تعلق توڑنے کی خرابیاں

فرمایا، کسی بزرگ سے باطنی اصلاح کا تعلق قائم کرکے، بلا شرعی عذر کے توڑنا بڑی ہی سخت بات ہے، بعض مرتبہ بلاوجہ اس تعلق کو توڑنے سے خذلان کی نوبت

آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔

(کسی صاحب دل سے بیعت واصلاح کا تعلق قائم ہونے کے بعد اسے بغیر کسی شرعی عذر کے توڑنا سخت نقصان دہ ہے، اس سے فرد کی روح اور دل اضطراب سے سرشار ہونے لگتی ہے۔ شریعت پر عمل پیرا ہونے میں بھی دشواری پیدا ہوسکتی ہے، لیکن بعض اسباب کی وجہ سے یہ تعلق توڑنے کی گنجائش موجود ہے۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ فرد بزرگ سے ہنگامی جذبات کے تحت بیعت تو ہوگیا، لیکن اس سے طبعی مناسبت پیدا نہ ہوسکی، مثلاً اس بزرگ کا مزاج علمی نوعیت کا نہیں ہے، جب کہ طالب پر علمی رنگ غالب ہے، دوم یہ کہ بزرگ سے کسی وجہ سے ملاقات ورابطہ یا براہ راست استفادہ کی صورت پیدا نہیں ہو پاتی یا تو بزرگ دور دراز کے مقام پر ہے یا پھر بزرگ نے بوجوہ عام مریدوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے، سوم یہ کہ بزرگ میں بعض خلاف شرع چیزیں موجود ہوں، جن کی معقول توجیہ نہ ہوسکے۔ مرتب)

کام کی اصل اور روح کا نکل جانا

فرمایا، بعض لوگوں کی قوت قلبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک مولوی صاحب دوست ہیں۔ بہت ہی دلیر ہیں۔ سرکاری اسکول میں ملازم ہیں، کہتے تھے کہ میں اسکول میں نوکری محض اس لئے کرتا ہوں کہ اُن لوگوں کو خطاب کرسکوں، یہ بھی تبلیغ کا ایک طریقہ ہے، خطاب کا خوب موقع ملتا ہے۔ میں گلستان بوستان پڑھاتا ہوں، اُس میں قرآن وحدیث بیان کرتا ہوں۔ طلباء کو اسلامی تعلیم دیتا ہوں اور اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بدولت بیچاروں کو تکلیفیں اور اذیتیں بھی بہت پہونچیں مگر ماشاء اللہ بڑے ہی پختہ ہیں۔ بالکل نڈر ہیں، مگر پھر بھی بشر ہیں، کبھی کبھار پریشان بھی ہوجاتے ہیں، اس پریشانی میں کبھی کوئی اذیت یا تکلیف پہونچتی ہے تو مجھے لکھتے اور مشورہ لیتے ہیں، میں نے ایک بار لکھا کہ یا تو امر بالمعروف چھوڑدو۔ اگر نہیں چھوڑتے تو شکایت کرنا چھوڑدو، مجھے مت لکھا کرو، میں احوال غائبہ میں کہاں کہاں مشورہ دیتا پھروں گا اور یہ شعر لکھ دیئے۔

سرمد گلہ اختصاری باید کرد — یک کار ازین دو کاری باید کرد
یا تن برضائے دوست می بایدداد — یا قطع نظر زیاری باید کرد

اس کے بعد انہوں نے نہ مجھے کچھ لکھا اور نہ امر بالمعروف کو چھوڑا، برابر اُسی طرح اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہیں۔ کام کرنے والوں کی یہی حالت اور صورت ہوتی ہے، وہ رُکنے والے کہاں ہیں۔ باقی آج کل تو اکثر زبانی جمع خرچ ہے، جتنا چاہو کرالو، آگے کام صفر ہے۔ لمبی چوڑی تقریریں، پُر شوکت الفاظ۔ روانی بحر ذخار کی طرح، مگر صرف جسم ہے، روح ندارد، بھلا اس سے کہیں کام چلتا ہے۔ کام تو کام کرنے سے چلتا ہے۔ عملی جامہ کسی بات کو بھی نہیں پہنایا جاتا، سارا زور شور محض زبانوں اور اخباروں تک محدود ہے۔ اور جب کام کرنے کے لئے نام آتا ہے تو اس وقت ان تلون میں تیل ہی نہیں ہوتا، البتہ دوسروں پر اعتراضات کی بھر مار شروع کردیتے ہیں، بھلا اس سے کیا حاصل۔ (صفحہ ۱۳۸)

درویشی، مجنونانہ باتوں کا نام بن کر رہ جانا

فرمایا، تربیت کا باب تو بالکل مسدود ہوگیا ہے۔ مشائخ تک کو اس طرف توجہ نہیں۔ چند چیزوں کا نام درویشی اور بزرگی رکھ لیا گیا ہے، نہ اعمال کا اہتمام ہے، نہ افعال کی خبر اور ہی نہ اقوال کی حفاظت، جو جی میں آیا کرلیا، جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ مجنونانہ باتوں کا نام درویشی رکھ لیا گیا ہے، محبوبانہ بات ایک بھی نہیں، تربیت کا کام تو بڑا ہی نازک فن ہے۔ (صفحہ ۱۴۱)

کچھ حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے بارے میں

فرمایا، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ نے زمانہ قیام مالٹا میں قرآن شریف کا ترجمہ لکھا تھا، مگر فوائد پورے نہیں ہوئے تھے، دوسرے اہل علم نے پورے کئے، اُس کو ایک ناشر نے حضرت کے ورثاء سے خرید لیا، معلوم ہوا کہ بہت بڑی رقم لی گئی، اگر حضرت مولانا تشریف رکھتے ہوتے تو کیا وہ بھی رقم لیتے، بلکہ بعید نہ تھا کہ چھاپنے کے لئے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اور امداد کے طور پر دیتے۔ میرے اعتقاد میں تو یہ حضرات قریب قریب متقدمین کے ہم پلہ ہیں،

جیسے جنیدؒ۔ غزالیؒ تھے، مگر اپنے زمانہ میں ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی قدر نہیں کی گئی۔ ناشر صاحب نے مجھ سے حضرت مولانا کے ترجمہ پر تقریظ لکھنے کیلئے کہا۔ میں نے جواب دیا کہ تقریظ وہ لکھ سکتا ہے، جس کو تنقید کا حق حاصل ہو اور مجھے یہ حق نہیں، کیونکہ حضرت سے میرا تقلید کا تعلق ہے، ایسے شخص کی تقریظ کیا معتبر ہوسکتی ہے، اس لئے میں تقریظ سے معذور ہوں۔ دوسرے، حضرت کے کلام یا ترجمہ پر تقریظ کی ضرورت ہی کیا ہے اور ناشر نے مجھے ایک نسخہ بھی دینا چاہا، مگر میں نے مفت لینے سے انکار کردیا کہ اس کو اہانت سمجھتا ہوں کہ میں مفت لوں۔ اگر توفیق ہوئی تو میں اسی طرح خریدوں گا جیسے اور لوگ خریدتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حضرت مولانا کو بہت کم پہچانا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حق کو نہیں پہچانتا، وہ اہل حق کو کیا پہچانے گا، اسی وجہ سے زمانہ تحریک میں عام طور سے مجھ پر اعتراض ہوا کہ میں نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف کیا، میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا، اس کا کیا جواب ہے، دوسرے میں نے مولانا سے اختلاف کیا، خلاف تو نہیں کیا، خدانخواستہ میں نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی اور نہ میرے اس اختلاف سے مولانا پر بحمداللہ ذرہ برابر گرانی ہوئی، اس لئے کہ حضرت، اختلاف کی حقیقت سے باخبر تھے۔ اور اختلاف تو میں نے بعض مسائل میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی کیا ہے، جو حضرت مولانا کے بھی شیخ تھے۔ (صفحہ ۱۴۲)

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اخلاق میں فرق

فرمایا، فرد، اگر خدا کی رضا کے لئے اخلاق اختیار کرتا ہے تو اُس میں رسوخ بھی ہوتا ہے اور جس شخص کے اخلاق اپنی اغراض کے لئے ہوں کہ جیسا موقع دیکھا، ویسا کرلیا، اُس کا کیا اعتبار، مسلمانوں اور غیر مسلم کے اخلاق میں یہی ایک فرق ہے۔ غیر مسلم اپنی غرض کے لئے اخلاق اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ مسلمان خدا کے لئے۔

ذکر سے مجنوں ہونے کی نوبت تک پہنچ جانا

فرمایا، ایک شخص کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ فلاں بزرگ نے مجھے بند کر کے، ذکر کرنے کی تعلیم فرمائی تھی، اُس تعلیم پر عمل کیا، اب دماغی اعتبار سے مجنوں بنا ہوا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ اب درویشی انہی چیزوں کا نام رہ بن کر رہ گئی ہے۔ یہ شیخ ہیں، نہ طریق کی خبر، نہ طالب کی حالت اور استعداد پر نظر۔ بیچارے کو مجنون بنادیا۔ سنت پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں کہ یہ ملانوں کا کام ہے۔ ان کو درویشی سے کیا تعلق، شاید درویشی کی کوئی قسم ایسی بھی ہوگی کہ جس کو نہ شریعت سے تعلق، نہ سنت سے تعلق، ان جاہلوں نے ایک نئی درویشی گھڑ رکھی ہے۔ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے، پھر اپنے کو درویش، صوفی اور شیخ کہلاتے ہیں۔ مقتدا اور صاحب باطن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے۔ (صفحہ ۱۴۶)

(ذکر وفکر کی دنیا میں طالب کی استعداد اور ذہنی واعصابی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے، دوسری صورت میں غیر معمولی مجاہدوں سے طالب یا تو مجنون ہوسکتا ہے یا پھر اس کا اعصابی نظام ٹوٹ پھوٹ سکتا ہے۔ مرتب)

شورش کے کاموں سے دلچسپی کا ہونا

فرمایا، صاحب، دین کی خدمت کرنا مقصود ہے یا لوگوں سے لڑائی لڑنا۔ اس طرز میں بجائے خلوص کے نفس کی آمیزش شامل ہوجاتی ہے اور مخاطب پر اچھا اثر ہونے کے بجائے بُرا اثر ہوتا ہے۔ خدا معلوم، ان لوگوں کو تصنیف کا شوق ہی کیوں ہوتا ہے، چُپ چاپ بیٹھے رہیں، دنیا میں اور بہت سے کام ہیں، اُن میں مشغول ہوں اور یہ دنیا کے کاموں میں بھی اُن کاموں کو پسند کرتے ہیں، جن میں شورش اور فتنہ ہو۔ دل ہی ایسے ہی کاموں میں لگتا ہے، کیا بھدی طبیعتیں ہیں۔ بدفہمی اور بدعقلی کا غلبہ ہے، حق تعالیٰ فہم صحیح نصیب فرمادیں۔ (صفحہ ۱۴۸)

بزرگوں میں اختلافات کے باوجود
ایک دوسرے کے لئے تکریم کا ہونا

فرمایا، آجکل تو یہ رنگ ہے کہ ذرا تقریر یا تحریر میں کسی سے مخالفت ہوئی پھر

کفر تک پہونچائے بغیر نہیں چھوڑتے، پہلے کے لوگوں کی حالت سنئے۔ مولوی فضل حق صاحب، مولانا شاہ اسماعیل شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقابل تھے، ایک مرتبہ مولوی فضل حق صاحب تھانہ بھون تشریف لائے تھے۔ قاضی نجابت علی صاحب نے مولوی فضل حق صاحب سے مولانا شاہ اسماعیل شہید صاحب کے بارے میں پوچھا تھا کہ آپ کا کیا خیال ہے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ قاضی صاحب، وہ ایسے شخص ہیں کہ اُن کے مقابل کیلئے یہی بڑی خوشی کی بات ہے کہ اُن کا مقابل ہے۔ پھر قاضی صاحب نے مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی نسبت پوچھا، وہابیت بدعت کا ان سے بھی اختلاف تھا، مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس مجلس میں انسانوں کا ذکر ہورہا ہے، کسی انسان کے بارے میں پوچھئے، جس وقت جبرئیل میکائیل کا ذکر ہوگا، اُس وقت شاہ محمد اسحاق صاحب کا ذکر کیجئے۔ مخالفوں کے ساتھ عقیدت کی یہ حالت تھی، اختلافات کے سلسلہ میں پہلے اصحاب علم کا یہی طرز عمل تھا، وہ دوسروں کے کمالات کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے، اب تو ذرا ذرا بات میں اپنے مخالف کو کھلم کھلا بُرا بھلا کہتے ہیں، نہ کوئی علمی تحقیق ہے، نہ اصول پر مناظرہ ہے۔ گالیوں اور کفر کے فتووں سے رسالے بھرے ہوتے ہیں، کیا یہی دین کی خدمت ہے۔ (صفحہ ۱۴۸ جلد ہشتم)

(حضرت مولانا کے دور میں مخالفوں کے بارے میں جو حالت تھی، وہ تو بہت غنیمت تھی، اب تو علمی معاملات اور حکمت عملی کے مسائل میں اختلاف رائے، دشمنی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور مخالفوں کے وجود کو مٹا دینے تک معاملہ پہنچا ہے، یہ صورتحال، تنگ نظری اور نفس پرستی کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ مرتب)

دل میں اہل علم کی قدر کا ہونا

فرمایا، یہ زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے، جو غریب اپنے مسلک، مشرب اور اپنے بزرگوں کے طرز پر قائم ہے اور سلف کا مسلک اختیار کرتا ہے، سب ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اسے کسی طرح چین لینے نہیں دیتے۔ چنانچہ اسی جُرم میں مجھ پر بھی بعض افراد کی عنایت رہی، مگر الحمدللہ، میں پرواہ بھی نہیں کرتا۔ بولنا مجھے بھی آتا ہے۔ اللہ نے زبان بھی دی ہے، اللہ نے قلم بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے، لیکن

میں تو اسی طرز کو پسند کرتا ہوں، جو سلف سے بزرگوں میں چلا آرہا ہے، جو طریقہ اپنے اکابر کا آنکھوں سے دیکھا ہے، وہی مجھے پسند ہے اور میں اُسی پر رہنے کو پسند کرتا ہوں، نیز میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں اہل علم سے بہت شرماتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں دل چاہتا ہے کہ اپنا ہی نقص نظر میں رہے۔ میں اپنے قلب میں چھوٹے سے چھوٹے طالب علم کی عظمت واحترام پاتا ہوں، میں اہل علم کو کبھی ایسا خطاب کرنا پسند نہیں کرتا، جس سے ان کی ذرہ برابر بھی اہانت ہو یا اس کا شبہ ہو۔ تحریک کے زمانہ میں بعض اہل علم تک نے میرے بارے میں سخت تبصرہ کے مضامین شائع کئے، مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ محض اس خیال سے کہ خدانخواستہ تقریر وتحریر میں میری نیت کسی مناظرہ یا مکالمہ یا رد کی نہ تھی، بلکہ اظہار حق مقصود تھا۔ (صفحہ ۱۴۹)

توجہ باطنی سے نفس کے تزکیہ ہونے کی طلب

فرمایا، علوم میں تصوف، سب سے زیادہ آسان علم ہے، مگر تعجب ہے فلاں مولوی صاحب جو کہ عالم فاضل ہیں، اُنہوں نے تصوف کو سب سے زیادہ مشکل بتایا، مجھ سے ان کی خط وکتابت ہوئی، اُس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ توجہ باطنی سے میرے نفس کا تزکیہ ہوجائے۔ علم وعمل کی حاجت نہ ہو۔ میں نے اس مکاتبت میں ان کے سامنے ساری عمر کی تحقیق رکھ دی تھی، وہ یہ کہ تصوف میں افعال مقصود ہیں، کیفیات مقصود نہیں۔ علمی اصطلاح میں میں نے ان کے سامنے سارا فن دو جملوں میں رکھ دیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ عالم ہیں، قدر کریں گے، لیکن اُنہوں نے یہ قدر کی کہ اس کے جواب میں لکھا کہ معلوم ہوا کہ تصوف سب سے مشکل چیز ہے۔ ان مولوی صاحب کی ساری عمر غیر مقصود کاموں میں گذری، اگر انہوں نے کسی کامل کی تھوڑی صحبت اُٹھائی ہوتی تو اُس وقت قدر کرتے۔ (صفحہ ۱۵۰)

(تصوف تو مجاہدوں اور مسلسل مجاہدوں کی راہ ہے، پھر اہل تصوف سے فیضیابی کے لئے اپنی شخصیت کی نفی کرنی پڑتی ہے، سنت اللہ یہی ہے کہ نفیٔ ذات سے اپنی باطنی بیماریوں کا ادراک حاصل ہوتا ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوتی

ہے، ورنہ علم اور شخصیت کا طلسم عام طور پر نفس شناسی اور عاجزی کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے اور بڑے سے بڑا عالم بھی محروم ہی رہتا ہے۔ اللہ اپنے فضل سے جس کو یہ نعمت عطا فرمائے، اس سے ہر وقت فضل خاص کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ مرتب)

علم کا مقصود اللہ کی خشیت کا ہونا

فرمایا، جس وعظ کی میں آج کل اصلاح کررہا ہوں، اُس میں **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** کی تفسیر میں نے بیان کی ہے۔ علم کیلئے خشیت لازم سمجھتے ہیں یہ آیت کا مدلول ہی نہیں ہے اور واقعۃ بھی صحیح نہیں۔ تخلف مشاہد ہے، البتہ خشیت کیلئے علم شرط ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور یہی مدلل ہے آیت کا۔ غرض یہ تو ممکن ہے کہ علم ہو اور خشیت نہ ہو، مگر یہ ممکن نہیں کہ خشیت ہو اور علم نہ ہو، خواہ وہ علم درس سے حاصل نہ ہوا ہو۔ آخر جب فرد خوف کی کسی چیز کو جانتا ہی نہیں، اُس کا علم ہی نہیں تو خوف کس چیز سے ہوگا، تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ علم خشیت کی شرط ہے، اُس کا سبب نہیں۔ جب یہ بیان ہورہا تھا، طلبہ منہ تک رہے تھے کہ یہ کیا بیان ہورہا ہے وعظ کے بعد بعض طلبہ نے کہا کہ ہم تو بڑی غلطی میں مبتلا تھے، میں نے کہا تم کیا بعض بڑے بڑے علماء اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ علم صحیح دل میں ڈال دیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۵۵)

(واضح ہو کہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی نے لکھا ہے کہ قرآن کی مذکورہ آیت میں اس علم کی نفی کی گئی ہے، جس علم سے خشیت پیدا نہ ہوتی ہو۔ مرتب)

جسمانی اور روحانی طبیب کی مثال

فرمایا، تصوف میں محض اپنی رائے پر عمل کرنے سے راستہ طے نہیں ہو سکتا، اس میں سخت ضرورت ہے، کسی کامل کی سرپرستی کی، کسی کامل کی رائے کے بغیر اپنی رائے سے عمل کرنا مناسب نہیں۔ اور آپ جو کہہ رہے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے، کتاب سمجھنا بھی طبیب ہی کا کام ہے، مریض کا کام نہیں۔ آخر بیمار، طب کی کتابوں سے علاج کیوں نہیں کرتے، جو چیز رکاوٹ ہے، وہی رکاوٹ یہاں سمجھو۔ جسمانی اور روحانی طب میں فرق کیا ہے، وہ طب جسمانی ہے۔ یہ طب روحانی ہے،

وہی تشخیصات وتجویزات جو اس میں ہیں، یہاں بھی اسی طرح کی تشخیصات اور
تجویزات ہیں، میں اس پر ایک خاص بات بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ مشائخ کے یہاں
جو ذکر وشغل مراقبہ وغیرہ معمول ہیں، یہ سب تدابیر کے درجہ میں ہیں، وہ مقصود نہیں،
البتہ مقصود میں معاون ہیں تو جیسے جسمانی طبیب کی جائز تدابیر کو کوئی عاقل خواہ وہ
مقلد ہو یا غیر مقلد، بدعت نہیں کہتا، اسی طرح روحانی طبیب، شیخ کامل اور اہل حق
ان تدابیر کو بدعت نہیں کہہ سکتا۔ باقی کسی کو اہل طریق سے دشمنی اور بغض ہی ہو تو
اس کا تو علاج تو کسی کے پاس نہیں۔ (صفحہ۱۵۶)

کچھ بیعت کے بارے میں

فرمایا، آجکل عام لوگوں نے بیعت کو اس قدر مقصود بالذات بنایا ہوا ہے کہ
فرض وواجب کی طرح سمجھتے ہیں، اس کے باوجود علماء اہل حق جس طرح دوسری
بدعتوں کو منع کرتے اور اُن کی اصلاح کرتے ہیں، اسی طرح وہ اس طرف قطعاً توجہ
نہیں کرتے کہ اس طالب کا کیا عقیدہ ہے اور یہ بیعت کو کیا سمجھتا ہے، بلکہ جہاں
کوئی آیا اور جھٹ بیعت کرلیا، کیا یہ بدعت نہیں کہ غیر واجب کو واجب سمجھا جاتا
ہے اور کیا یہ بدعت کی تعریف میں داخل نہیں۔ اس معاملہ میں تو خصوصیت کے
ساتھ سب میں ڈھیلا پن ہے، صرف ایک میرے یہاں ڈھیلا پن ہے بیائے مجہول۔
سو میں ویسے ہی بدنام ہوں کہ بدخلق ہے، سخت ہے۔ (صفحہ۱۶۷)

(آج کل بیعت کا جو عام سلسلہ مروج ہے، وہ یہ ہے کہ ایک جلسہ میں لوگ
جمع ہوئے، بہت سارے مقرروں نے تقاریر کی، آخر میں بزرگ موصوف نے تقریر
کی اور لوگوں سے اجتماعی بیعت لے لی، اس بیعت کا ایک بڑا نقصان جو ہوتا ہے،
وہ یہ ہے کہ لوگ عام طور پر زندگی بھر اپنے آپ کو اس بزرگ کا مرید ظاہر کرنے
لگتے ہیں، جب کہ انہیں زندگی بھر ان بزرگ سے دوبارہ صحبت کا موقعہ ہی نہیں ملتا،
جب کہ بعد میں انہیں اپنے علاقہ میں بزرگ دستیاب بھی ہوتے ہیں، لیکن ایک بار
بیعت ہوجانے کے بعد اب دوسرے بزرگ سے بیعت اور تربیت کا عمل کیسے جاری
رکھیں، ہنگامی جذبات کے تحت ہونے والی اس بیعت کو اس نکاح کی طرح سمجھا جاتا

ہے، جو کسی صورت ٹوٹ نہیں سکتا، اس طرح کے افراد زندگی بھر لوگوں سے اس
بزرگ سے بیعت کا اظہار کرکے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ تو
سفر کرکے، ان بزرگ کے ہاں جاکر صحبت وتربیت حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی قریب
کے علاقہ کے بزرگ سے رشتہ قائم کرتے ہیں، حالانکہ بیعت کا مطلب اصلاح نفس
کے سلسلہ کو جاری رکھنا ہوتا ہے، جب کہ رسمی بیعت یا اس طرح کی وقتی اور ہنگامی
نوعیت کی بیعت عام طور پر اصلاح سے محرومی کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس طرح کی
ہنگامی بیعت کی خرابیوں کو حضرت مولانا تھانویؒ نے جس بہتر اور مؤثر طور پر واضح کیا
ہے، وہ مولانا ہی کی شان ہے۔ مرتب)

اختلاف مسلک کے باوجود ادب واحترام کا دور

فرمایا، ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے، ہم نے پُرانے لوگوں کو دیکھا کہ اختلاف کے
باوجود ایک دوسرے کا ادب اور احترام کرتے تھے، اب ایک دم ایسا انقلاب پیدا ہوا
ہے کہ اپنے برابر والوں کا تو کیا ادب کریں گے، چھوٹے اپنے بڑوں کا ادب نہیں
کرتے، اسی وجہ سے معاشرہ سے خیروبرکت رخصت ہوگیا ہے، میرے ماموں
صاحب جو حیدرآباد دکن میں تشریف رکھتے تھے، مسلک میں اُن کا ہم لوگوں سے
اختلاف تھا، صاحب سماع بھی تھے، بلکہ اُس میں بھی کسی قدر غلو ہوگیا تھا۔ ان ماموں
صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ دیکھو، اشرف علی کا مسلک ہم سے جُدا ہے،
اس لئے اُس سے مت ملنا، لیکن گستاخی بھی نہ کرنا، اب اس واقعہ سے سمجھ لیجئے کہ
کیسے لوگ تھے کہ مسلک کا اختلاف جو درجہ خلاف تک پہونچا ہوا تھا، اس کے باوجود
مرید کو کیا حکم دیا۔ یہ ماموں صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے تو معتقد تھے، مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص دلچسپی نہ تھی۔ مگر
مولانا شاہ اسماعیل شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیحد معتقد تھے۔ فرمایا کرتے تھے
کہ اس شخص نے اپنی ساری عمر اور اپنی عزت اپنی راحت سب دین کے واسطے وقف
کردی۔ اُن پر یہ لوگ اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے اُن کی
روٹیوں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، سبحان اللہ، کیسی حق بات کہی۔ (صفحہ۱۶۹)

(موجودہ دور میں اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے سے دوری اور غلط

فہمی کی فضا بہت زیادہ پیدا ہوگئی ہے۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے بُعد پیدا ہوگیا ہے، ایسی دینی شخصیتیں، جو سب سے حسن ظن کا معاملہ رکھیں اور اختلاف رائے کو دوری اور عدم رواداری کا ذریعہ نہ بننے دیں، معاشرہ سے ان کا وجود مفقود ہوگیا ہے، یہ بات بہت زیادہ لمحہ فکریہ ہے۔ مرتب)

طالب کے لئے ایک ہی بزرگ سے تعلق رکھنے کا اہتمام ہونا ضروری ہے

فرمایا، مبتدی کو محبت اور ادب تو سب سے رکھنا چاہئے، لیکن اعتقاد ایک ہی سے رکھنا چاہئے، مختلف بزرگوں سے اعتقاد پیدا کرنے سے شبہات اور تشویشات کا دروازہ کھل جائے گا۔ پھر اُن شبہات سے یہ حالت ہوگی۔ شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں جوش ہوتا ہے، بس طالب، اسی حالت جوش میں رہے گا کہ اس سے کچھ لے لیا، کچھ اُس سے لے لیا، اس تشویش کی وجہ سے مقصود تک رسائی نہ ہو سکے گی، اس لئے اتباع کا تعلق ایک ہی سے رکھنا چاہئے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس سے تعلق قائم کیا جائے، وہ اپنے ہمعصروں میں سب سے افضل واکمل بھی ہو، بلکہ خواہ وہ افضل اکمل نہ ہو، لیکن تصوف کے فن سے واقف ہو اور طالب کو اُسے طبعی مناسبت بھی ہو۔ اس راہ میں اصل فائدہ مناسبت ہی سے وابستہ ہے۔ پھر افضل غیرافضل کی تفتیش کے فضول ہونے پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ کیرانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے، وہ آکر بیٹھ گئے اور دل میں خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مرتبہ بڑا ہے یا حافظ ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا۔ حضرت، ان کے اس خطرہ پر مطلع ہوئے، فرمایا کہ ایسا خیال بہت بُری بات ہے، تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ بادل کے دو ٹکڑے ہیں، ایک چھوٹا، ایک بڑا، مگر تمہارا گھر بھر دینے کو تو دونوں کافی ہیں۔ (صفحہ ۱۷۴)

قرآن وحدیث سے مسائل سلوک کا تعین

فرمایا، سرسری نظر سے آیات قرآنی سے جس قدر مسائل سلوک مستنبط کئے گئے ہیں، اُن کی فہرست تیار کرا رہا ہوں۔ تیرہ سو کے قریب نمبر مسائل ہو چکے ہیں ابھی اور باقی ہیں اور بعض مکرر بھی ہیں۔ اگر تصوف کوئی حق چیز نہیں تو قرآن سے اس کے اتنے مسائل کیسے مستنبط ہوگئے۔ اس کے بعد حدیث سے مسائل سلوک کا استنباط کیا گیا ہے، اس کی فہرست تیار کرانے کا ارادہ ہے۔ ذرا معترضوں کی آنکھیں تو کھلیں (یہ فہرست بشکل ایک رسالہ کے ہے، اس کا نام عنوانات التصوف ہے) حقیقت یہ ہے کہ ان معترضین نے قرآن وحدیث کو سمجھا ہی نہیں، اس لئے یہ فن مُردہ ہو چکا تھا، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تصوف کئی صدیوں کیلئے زندہ ہوگیا اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی برکت ہے، آپ کے فیوض باطنی کے ثمرات ہیں۔ (صفحہ ۱۷۸)

(حضرت مولانا تھانویؒ نے قرآن وحدیث سے مسائل تصوف اخذ کرنے کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے، اسے دیکھ کر مولانا کی غیرمعمولی مجتہدانہ صلاحیتوں پر داد دینی پڑتی ہے، اسلامی لٹریچر پر نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے مسائل تصوف ثابت کرنے کے لئے اس نوعیت کا کام پہلی بار ہوا ہے۔ مرتب)

محبت اور بے تکلفی کا ایک جگہ ہونا

فرمایا، حضور ﷺ سے زیادہ کون معظم ہوگا، مگر خود صحابہ کرام، حضور ﷺ کے ساتھ بے تکلف رہتے تھے، صحابہ نے محبت اور بے تکلفی کو جمع کر کے دکھا دیا اور جدید تہذیب اس کے بالکل خلاف سنت ہے۔ اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے، میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل کی تہذیب دراصل تعذیب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ سنت سے جس چیز میں جتنا بُعد ہوگا، اُس میں ظاہری طور پر بھی تکلیف ہوگی تو باطنی طور بھی۔ مگر ایسی بے تکلفی بھی نہیں چاہئے کہ بڑوں کے ساتھ مساوات کا درجہ پیدا ہوجائے، ہر چیز کے حدود ہیں اب تو حقائق پر رسوم کا غلبہ ہے اور قریب قریب سب اس میں مبتلا ہیں۔ (صفحہ ۱۸۵)

راہ سلوک میں دو چیزوں کا سم قاتل ہونا

فرمایا، میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں سب سُن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ راہ سلوک میں طالب کے لئے دو چیزیں راہزن اور سم قاتل ہیں۔ ایک اپنی غلطی کی تاویل اور دوسرے اپنے معلم پر اعتراض۔ (صفحہ ۱۸۸)

(یہ دونوں چیزیں بتاتی ہیں کہ طالب کے مزاج اور اس کی نفسیات میں بنیادی خرابی موجود ہے اور شیخ پر عدم اعتماد کا مرض بھی۔ ایسا طالب، عشق ومحبت کے اجزاء سے بہرہ ور ہو سکے اور راہ سلوک میں چل کر، نفس کو مہذب بنا سکے، ممکن نہیں۔ مرتب)

غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر
یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی

فرمایا، آجکل لوگ مریض کی حیثیت سے اصلاح کرانے کہاں آتے ہیں، وہ تو طبیب بن کر یا طبیب بننے کی نیت سے آتے ہیں۔ آتے ہی فن کی تحقیقات کرنا شروع کردیتے ہیں، اُس کے حکم واسرار کی جستجو کرتے ہیں، یہ کس قدر حماقت کی بات ہے۔ اگرفن اس طرح آجایا کرتا تو آج دنیا میں ایک بھی غیرطبیب نظر نہ آتا، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ طبیب کم ہیں، غیرطبیب زیادہ۔ یہی مثال راہ سلوک اور راہ اصلاح میں سمجھ لو، ہر شخص مصلح نہیں بن سکتا، کسی کی جوتیاں سیدھی کرنا اور سیدھی کرنا کیا معنے، جوتیاں کھاؤ۔ دماغوں سے خناس نکالو۔ ناک رگڑو۔ اپنے کوکسی کے سپرد کرو، اس پر بھی اگر کچھ مل جائے تو اسے فضل خداوندی سمجھو۔ لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ گھر بیٹھے بٹھائے کچھ کئے بغیر سب کچھ بننا چاہتے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی کیمیا گر کے پاس جا کر یہ چاہے کہ کچھ کئے بغیر کیمیا بنانا آجائے۔ کیمیا گرتو یہی کہے گا کہ پہلے یہ تو معلوم کیا ہوتا کہ مجھے بھی اسی طرح کیمیا بنانی آئی ہے، جس طرح تو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب ایک عالم ہے، مسند پر بیٹھا ہوا تکیہ لگائے علوم بیان کررہا ہے، ایک عامی بے لکھا پڑھا شخص آئے اور کہے مجھے بھی علوم بتلادو اور سکھاؤ، وہ کہے گا کہ جا، پہلے دس برس مدرسہ

میں جا کر اُستادوں کی جوتیاں سیدھی کر۔ جوتیاں کھاؤ۔ ڈنڈے اور رول کھاؤ، پیر دباؤ، سارے سارے دن محنت کرو۔ راتوں کی نیند حرام کرو، تب کہیں یہ چیز میسر ہوگی توصاحب، کام تو کام کے طریقے سے ہی ہوتا ہے، جدوجہد اور سعی وکوشش کے بغیر کسی چیز کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ (صفحہ ۱۹۱)

(حضرت مولانا کے دوسرے ملفوظات میں بھی مجاہدوں پر غیر معمولی زور ہے۔ بات یہ ہے کہ نفس کی قوت سارے درندوں کی قوت کی، مجموعی قوت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس قوت کو کثرت ذکر کے نور کے بغیر توڑا جاسکے اور مہذب بنایا جاسکے ممکن نہیں، مجاہدوں کے بغیر غیرمقصود کاموں سے نجات مل سکے، اور منزل حاصل ہوسکے، مشکل ہے۔ مرتب)

مصنوعات کو علوم سمجھنے کی نفسیات

فرمایا، آج کل لوگ جہالت کی وجہ سے مصنوعات کو علوم سمجھتے ہیں۔ ان کو تو علوم کہنا بھی صحیح نہیں۔ علوم اور چیز ہیں۔ مصنوعات دوسری چیز ہیں۔ آج کل مادیات میں ترقی کرنے والوں کو تو ان علوم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ علوم کی دولت تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دی ہے اور اُن کے پاس وہ چیز موجود ہے، جس سے یہ ترقی یافتہ قومیں محروم ہیں، وہ نور ایمان کی دولت ہے، اس دولت کے سامنے ساری ترقیاں اور ساری دولت وحکومتیں ہیچ ہیں، اس کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ اس نور ایمان کی حفاظت کرو۔ بالخصوص اس پُرفتن دور میں، جب کہ ایمان ہی کے لالے پڑرہے ہیں، اس پر اگر مسلمان سنبھلیں اور خواب غفلت سے جاگیں اور اپنے ایمان اور اعمال کی حفاظت کریں اور خدا کو راضی کرنے کی فکر کریں تو میں بقسم کہتا ہوں کہ سارا عالم سر کے بل ان کے قدموں پر آپڑے اور یہ سارے مادی علوم واہیات اور خرافات نظر آنے لگیں۔ مگر افسوس ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر، خود مسلمان، غیروں کی گداگری کرتے پھرتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ اللہ نے انہیں کیا دولت اور نعمت دے رکھی ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور یقین دلانے کا اس کے علاوہ اور کیا ذریعہ ہے کہ ہمارے یہاں بحمداللہ بظاہر کچھ نہ ہونے

کے باوجود سب کچھ موجود ہے اور دوسروں کے پاس بظاہر سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں، کیونکہ اُن کے پاس بظاہر دنیا ہے، جس کو تم ہونا سمجھتے ہو، مگر یہ فانی ہے اور کچھ نہیں اور تمہارے پاس بظاہر دنیا نہیں، جس کو نہ ہونا سمجھتے ہو، لیکن ایک چیز ایسی موجود ہے کہ وہ سب کچھ ہے اور وہ ایمان ہے، کیونکہ وہ باقی ہے۔ اسی پر مدار ہے اور بازار آخرت میں یہی سکہ چلے گا، وہاں پر تم مالا مال نظر آؤ گے۔ وہاں دوسرے لوگ خالی ہاتھ ہوں گے، اُس وقت اس کی قدر ہوگی۔ (صفحہ۱۹۲)

(بدقسمتی سے فنی علوم کو حقیقی علوم سمجھنے کی نفسیات اتنی غالب ہے کہ دیندار ہو یا غیر دیندار، ہر فرد اسی جنون میں مبتلا ہے کہ ہر قیمت پر جدید علوم حاصل کر کے مادی ترقی حاصل کی جائے، ورنہ غربت کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے گا، لیکن ان فنی علوم کا جو عمومی نتیجہ ظاہر ہورہا ہے، وہ حب جاہ وحب مال کی بیماری اور اللہ کی غریب مخلوق کو پامال کر کے، ان سے پیسے بٹورنا اور سکون وسکینت کی نعمت سے محرومی کی بیماری ہے، جدید مغربی علوم کے یہ نتائج دیکھ لینے کے باوجود ان علوم میں استغراق تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اگر ان فنون کو ذریعہ معاش کی حیثیت سے اختیار کیا جائے اور دین کی فکر کو غالب رکھا جائے اور اس کا اہتمام کیا جائے تو اس صورت میں یہ علوم افادیت کے حامل ہوسکتے ہیں۔ مرتب)

ذہین افراد کے خیالات میں یکسوئی کا فقدان ہونا

فرمایا، ذہین افراد کے خیالات میں یکسوئی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ بنگالیوں اور ہندوستانیوں میں ذکر وشغل کے بعض آثار میں فرق ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہت ناز سے کہنے لگے کہ آپ کے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بنگالیوں کی بڑی قدر ہے اور وہ جلد ہی کامیاب ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے ان کے بعض آثار کو کامیابی قرار دیا۔ میں نے کہا کہ ان کے یہاں جمود ہے، جب کہ تمہارے یہاں حرکت ہے، اُن کو جس کام میں لگا دیا جاتا ہے، وہ اس کام میں لگے رہتے ہیں، جب کہ تم کو ایک حال پر قرار نہیں، مسلمان اور ہندو میں بھی یہی فرق ہے، ایک مسلمان کے بچے کو دُکان پر بٹھائیے، وہ نہیں بیٹھ سکتا، اس بارے میں اُس کی کیفیت یہ رہتی ہے، **الم تر انہم فی کل واد یھیمون.** جب کہ ایک ہندو کے بچے کو

بٹھائیے، وہ جم کر بیٹھا رہے گا، اُس کی یہ حالت ہوگی **یعکفون علی اصنام لھم.** دونوں کے حساب کی مشق میں بھی یہی فرق ہے۔ ہندو کا بچہ سو سوالات نکال کر بھی سانس نہ لے گا اور مسلمان کا بچہ زیادہ سے زیادہ دوچار سوال نکالے گا اور گھبرا جائیگا۔ یہی فرق ذہین اور غیر ذہین فرد کے درمیاں میں سمجھ لیا جائے، ذہین آدمی کا ذہن ہر وقت حرکت میں رہتا ہے، اس لئے جو ثمرات یکسوئی پر مرتب ہوتے ہیں، وہ ان کو کم حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ایسی ذہانت ایسے ثمرات مقصود نہیں۔ (صفحہ۱۹۳)

کچھ بھی حاصل نہ ہونے کے احساس کا یوم عید ہونا

فرمایا، ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر عمر بھر کے مجاہدات اور ریاضات کے بعد طالب یہ سمجھے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا تو اسے گویا سب کچھ حاصل ہوگیا، بشرطیکہ اعمال میں خلل واقع نہ ہو، کیونکہ اس حالت میں اس کی کیفیات روحانی ہیں، جو حقیقی کمالات ہیں۔ دوسرے یہ سمجھنا فناء کی علامت ہے، جو منتہی ہے سلوک کی۔ ایک شخص نے مجھے لکھا تھا کہ ذکر وشغل کرتے ہوئے اتنا زمانہ ہوگیا، لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ میں نے لکھا، یہی تو عید کا دن ہے کہ طالب یہ سمجھے کہ مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور وہ یوم ماتم ہوگا، جس روز یہ خیال ہوگا کہ مجھے کچھ حاصل ہے۔ (صفحہ۱۹۴ جلد ہشتم)

(اس ملفوظ میں حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ سلوک کا مقصود اپنے آپ کو پامال کرنا، کچھ بھی نہ سمجھنا، سارے مجاہدوں کے باوجود اپنے سیہ کار ہونے کے تصور کا پختہ ہونا ہے، جب طالب یہ تصور کرے گا کہ اسے کچھ حاصل ہوگیا ہے اور وہ کسی مقام پر پہنچ گیا ہے تو یہ احساس دراصل اس بات کی علامت ہے کہ وہ ابھی منزل سے بہت دور ہے۔

اصول اور حدود کے تحت
ہونے والے کام میں خیر وبرکت کا ہونا

فرمایا، جو کام اصول اور حدود کے ماتحت ہوگا، وہ چاہے دین کا کام ہویا دنیا کا، اُس میں ہمیشہ خیر اور برکت ہوگی۔ جو کام اصول اور حدود سے خارج ہوتے

ہیں، ان میں ہمیشہ بے برکتی ہوتی ہے۔ آج کل اکثر مسلمانوں میں اسی چیز کی کمی ہے۔ (صفحہ ۱۹۵)

دین کی پابندی کے بغیر کسی بات کا اعتبار نہ ہونا

فرمایا، فرد جب تک دین کا پابند نہ ہو، اُس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں، کیونکہ اُس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں۔ اگر دوستی ہوگی، وہ حدود سے باہر، اگر دشمنی ہوگی، وہ بھی حدود سے باہر ہوگی، جب حدود ہی نہیں تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ سخت خطرناک ہوگا۔ (صفحہ ۱۹۶)

(فرد کی حیوانیت پر انسانیت کو غالب کرنے والی چیز دین ہی ہے۔ دین کے بغیر علم ودانش ومادی ترقی سب لاحاصل ہے، دین کے بغیر کسی فرد سے بہتر اور پاکیزہ انسان ہونے کی امید رکھنا عبث ہے۔ ہاں کچھ نہ کچھ انسانی صفات پیدا ہوسکتی ہیں۔ لیکن فرد وافراد پاکیزہ انسانی صفات کے حامل ہوجائیں، ممکن نہیں۔ مرتب)

اکثر مشائخ اور علماء میں توازن کا فقدان ہونا

فرمایا، ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا یہی بڑا کمال ہے، آجکل اکثر مشائخ اور علماء میں اسی چیز کی کمی ہے کہ اُن کے یہاں کوئی بھی چیز اپنے درجہ پر نہیں رہی، لیکن یہاں پر بحمداللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے ہرچیز اپنے اپنے درجہ پر ہے، میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا، بلکہ نعمت خداوندی کا اظہار کررہا ہوں، اس میں فخر کی کونسی بات ہے۔ (صفحہ ۱۹۷)

(یہاں حضرت مولانا نے جس کمی کی نشاندہی فرمائی ہے، وہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے، موجودہ دور میں ایک بڑی لغزش یہ ہوئی ہے کہ دین کا ایک کام جو عام سنت کی حیثیت رکھتا ہے، اسے فرض کا مقام دیا گیا ہے، فرض کو دین کے نصب العین کی حیثیت دی گئی ہے۔ واجب کو سنت کے درجہ پر لایا گیا ہے، اس طرح دین کی ترتیب ہی تبدیل ہوگئی ہے۔ حضرت مولانا نے فرائض وواجبات اور سنت سے متعلق کاموں کی اصل حیثیت متعین کرکے، ہمیں دین میں افراط وتفریط سے بچایا ہے اور دین کی صحیح ترتیب پر وسیع لٹریچر تیار کرکے، بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے، جس

کی اصل قدر وہی افراد کرسکتے ہیں، جنہیں دین کی بدلتی ہوئی ترتیب کے نتائج کا مشاہدہ ہے۔ آج کل ملت میں کئی جماعتیں دین کی بدلتی ہوئی نصب العینی ترتیب سے وجود میں آگئی ہیں، جس کی وجہ سے جدوجہد کا سارا رخ سلف کے دین کی نصب العینی ترتیب سے ہٹ گیا ہے۔ امت میں موجود فساد کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ مرتب)

جہاد کی تشریح
ایک فاضل فلسفی کے سوال کے جواب میں

فرمایا، ایک فاضل فلسفی نے یورپ کے شبہ سے متاثر ہوکر، مجھ سے پوچھا تھا کہ جہاد کیا چیز ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ اشاعت حق ضروری ہے، اس لئے اس کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کفار مغلوب ہوکر رہیں۔ اُس کی صورتیں ہیں، یا تو وہ جزیہ دیں، اس سے بھی وہ مغلوب سمجھیں جائیں گے یا جزیہ نہ دیں تو اُن سے قتال ہوگا۔ بس یہ جہاد ہے۔ کہنے لگے کہ اگر وہ صلح کرلیں، تب بھی رکاوٹ دور ہوسکتی ہے، میں نے کہا کہ صلح کرنے سے وہ مغلوب نہ ہونگے، کیونکہ جب چاہیں صلح توڑ دیں۔ سو جو مقصود ہے کہ مغلوب ہوکر رہیں، وہ مقصود صلح سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس جواب سے ان کو بہت تسلی ہوئی۔ (صفحہ ۱۹۷ حصہ ہشتم)

وہابی ہونے کا الزام اور اس کا مؤثر جواب

فرمایا، معلوم نہیں یہ بدعتی لوگ ہمیں وہابی کیسے کہتے ہیں۔ اول تو وہ بدنام شخص عبدالوہاب نہیں، خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کیا، وہ محمد ابن عبدالوہاب ہے، جس نے تشدد سے کام لیا ہے، اسے جتنا بدنام کیا ہے، وہ بھی اس درجہ کا نہیں، پھر قطع نظر اس سے ہمارے عقائد بھی تو اُن جیسے نہیں، اگر کوئی کہے کہ بعض تو ہیں، سو بعض تو تمہارے بھی ہیں، مثلاً محمد ابن عبدالوہاب اسلام کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو۔ وہ رسالت کو حق سمجھتا ہے، تم بھی حق سمجھتے ہو تو اس سے کیا نقصان ہوا۔ اور بہت سے مسائل میں ہمیں اُن سے سخت اختلاف بھی تو ہے تو ہم ان کے متبع کیسے ہوئے۔ مثلاً وہ حضور ﷺ کے مزار مبارک پر قصدا جانے کو حرام کہتے ہیں، ہم مستحب بلکہ

مؤکد کہتے ہیں، اور ہمارے بعض علماء واجب تک کہتے ہیں، پھر ہم وہابی کیسے ہوئے، اگر محض اس وجہ سے وہابی سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کو گالیاں نہیں دیتے تو حضرت رابعہ تو شیطان پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہ کرتی تھیں اور یہ گالیاں اور تبرا تو رافضیوں کا مذہب ہے، اہل سنت والجماعت کو اس سے کیا تعلق۔ (صفحہ ۲۰۷)

مخالفوں کو جواب دینے کا سوال

ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں مقام پر بدعتی لوگ اہل حق کے مدرسہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور آئے دن چندہ دہندگان کو زبانی اور اشتہاروں کے ذریعہ سے بھکاتے رہتے ہیں، میں اُن کو جواب دیتا رہتا تھا، لیکن حضرت سے جب دریافت کیا گیا تو حضرت نے منع فرمایا، اب اُن کی قوت بڑھتی جارہی ہے، فرمایا مجھ سے ضرورت کا اظہار نہیں کیا گیا تھا، ویسے ہی ایک سوال تھا، میں نے فضول مشغلہ سمجھ کر منع کر دیا، تھا کیونکہ طلب حق میں عبث سم قاتل ہے، اب ضرورت معلوم ہوئی، اس لئے اب اجازت ہے۔ اپنی قوت اور وسعت کے مطابق مقابلہ کیجئے، بلکہ اب تو اسے جہاد سمجھئے، البتہ ایک بات ضروری ہے، جو یاد رکھنے کی ہے کہ مقابلہ میں شرعی حدود کا لحاظ رکھا جائے۔ ہڑبونگ نہ ہو، نہ حدود سے تجاوز ہو۔ اس لئے کہ مسلمان کے ہر کام کا مقصود رضاء حق ہونا چاہئے، اگر اس کا خیال رکھا گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی، برکت ہوگی۔ میری طرف سے اجازت ہے، اگرچہ اپنے مسلک اور مذاق کے تو خلاف ہی ہے۔ (صفحہ ۲۱۰)

کام کئے بغیر جنت میں جانے کی آرزو کا ہونا

فرمایا، بہت سے لوگوں نے مجھ سے بیعت کے متعلق خط وکتابت کی، جب دیکھا کہ کچھ کام کرنا پڑتا ہے تو بیٹھ گئے۔ آج کل یہی ہورہا ہے،لوگ چاہتے ہیں کہ جنت میں پھونچ جائیں اور کام بھی کرنا نہ پڑے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے، جو کام کرنے سے ہوتا ہے، اُس میں تو کرنا ہی پڑے گا، تب ہی کوئی نتیجہ مرتب ہوگا۔ اور اس مرض میں اہل علم تک مبتلا ہیں۔ عوام بیچاروں کی تو شکایت ہی کیا ہے۔ (صفحہ ۲۱۳)

(آج کل ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کرنے کے لئے

آمادگی نہ ہونے کے برابر ہے، فرد وافراد کی عام طور پر یہی چاہت ہے کہ مجاہدوں کے بغیر نفس قابو میں آجائے اور قلبی سکون کی دولت حاصل ہوجائے، جو عملاً محال ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ مجاہدوں ہی سے قرب حق کی دولت عطا ہوتی ہے۔ مرتب)

جہل کا نام تعلیم رکھا جانا

فرمایا، یا تو فرد کی طبیعت سلیم ہو یا کسی کامل کی صحبت حاصل ہو یا صحیح تعلیم ہو۔ ادب انہی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، مگر اب افراد معاشرہ میں یہ تینوں باتیں نہیں رہیں، بلکہ جہل کا نام تعلیم رکھا گیا ہے۔ (صفحہ ۲۱۹)

حقوق وصول کرنے میں تکلیف کا ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر اپنے حقوق لینے یا وصول کرنے میں دوسرے کو تکلیف یا اذیت پہونچے۔ فرمایا، اس کا ذمہ دار وہ فرد خود ہے۔ ابتداء اُس کی طرف سے ہے، ظالم تو وہ ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ بلاوجہ کسی شخص کو لاٹھی ماری جائے تو جواب میں لاٹھی تو اس کو ماری جائے گی، اس پر اُس کو جو تکلیف یا اذیت ہوگی، اُس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ (صفحہ ۲۲۲)

دوسروں کو تذلیل کرنے کی روش کا ہونا

فرمایا، آج ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ ایک عورت جو بے پردہ ہے، جو بھنگی چماروں تک سب کے سامنے آتی ہے اور آوارہ پھرتی ہے اور خاوند بھی ایسا ہی ہے، اُس عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا کیسا ہے۔ میں نے اسے لکھ دیا ہے کہ جب کافر کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے تو وہ تو مسلمان ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ فتوے کے اعتبار سے کیا حکم ہے اور تقوے کے اعتبار سے کیا حکم ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کسی متقی سے پوچھو۔ مزید فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود تو کوئی کام بھی خلاف شرع نہیں کرتے معلوم ہوتے، جدید وقت معلوم ہوتے ہیں، لوگوں کے دماغوں میں یہ خناس بھرا ہے۔ فتویٰ حاصل کرکے، دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھنا یا ذلیل کرنا مقصود ہے۔ سو میرے جواب سے بحمداللہ اس قسم کی گنجایش نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ لوگ میرے جواب سے خوش نہیں ہوتے، بلکہ پچھتاتے ہیں

کہ فضول سوال کیا، ان متکبروں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں پر تو اگر مکھی بھی بیٹھ جائے تو اعتراض کرتے ہیں، اپنے اوپر کیڑے پڑے ہوئے ہیں، اُن کی بھی خبر نہیں، مگر یہاں اللہ کے فضل سے ایسے متکبروں کا خوب دماغ درست ہوتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۳)

(تکبر اور بڑے پن کی بیماری بڑی جان جان لیوا اور مہلک بیماری ہے، فرد، عام طور پر ہر وقت دوسروں کی تحقیر کی فکر اور ذہن میں لگا رہتا ہے، نفس ظالم، فرد کو ہرا پھرا کر اپنے سے اختلاف رکھنے والے یا اپنی شخصیت کے علم یا بزرگی کی قدر نہ کرنے والے افراد کی کمزوریوں اور ان کے عیوب کی تلاش اور ان کی فکر میں مصروف رکھنا چاہتا ہے، اس طرح فرد، دوسروں کی تحقیر اور اتنی بڑائی کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔ فرد کے اندر عام طور پر اپنی بڑائی کا داعیہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ دوسروں بالخصوص اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں کی تعریف سنتے ہی دل میں ہلچل برپا ہوجاتی ہے، اس طرح کے مواقع پر فرد کے لئے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ وہ خود احتسابی سے کام لے اور توبہ واستغفار کرتا رہے۔

اہل اللہ کی مجلس میں خاموشی سے بیٹھنے کے فوائد

فرمایا، نئے فرد کیلئے مجلس میں خاموشی سے بیٹھے رہنا زیادہ نافع ہے، تجربہ سے یہ تجویز بیحد نافع ثابت ہوئی ہے۔ اس شرط کے ساتھ جو لوگ یہاں آئے، اُنہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں دس برس کے مجاہدوں سے بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی، جو دس روز کی مجلس میں خاموش بیٹھنے سے نصیب ہوئی۔ (صفحہ ۲۲۵)

(واضح ہو کہ اہل اللہ کی مجلس میں زبان کو تالا دے کر، دل کو جاری کرنے اور عشق محبت کے جذبات کو فروزاں تر کرنے کی نیت سے آنے کے غیر معمولی فوائد ہیں۔ چونکہ مبتدی طالب کا دل خالی ہوتا ہے، اس لئے گفتگو سے اس کے دل کے اخذ فیض کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، اس سے اس کے دل کو تشویش بھی لاحق ہوتی ہے۔ مرتب)

بدنامی اور چرچے سے بچنا شرعی حکم ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، شرعی کے اعتبار سے برہمن اور چمار ایک ہیں، پھر ایک کے ہاتھ سے کھا پی لیتے ہیں اور دوسرے کے ہاتھ سے نہیں۔

فرمایا، اس میں حکم کے دو درجے ہیں، ایک فی نفسہ اور ایک المعارض تو فی نفسہ تو جائز ہے، مگر عوارض کی وجہ سے ناجائز ہے۔ وہ عوارض یہ ہیں۔ مثلاً بدنامی۔ چرچا۔ عرض کیا کہ رواج کی بناء پر، فرمایا کہ میں نے جو الفاظ کہے ہیں وہ شرعی الفاظ ہیں۔ ان کا ترجمہ رواج سے نہیں ہوسکتا۔ اور یہ جواب آپ کو یہیں ملا ہے، دوسری جگہ سے ایسا جواب نہ ملتا۔ اس پر فرمایا کہ بدنامی اور چرچے پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔ ایک ظالم بادشاہ نے ایک بزرگ کو دربار میں بلایا اور سور کا گوشت ایک پلیٹ میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس کو کھاؤ۔ اگر نہ کھاؤ گے تو تلوار سے قتل کردئے جاؤ گے۔ بزرگ نے فرمایا کہ قتل ہونا منظور ہے، مگر یہ نہ کھاؤں گا، جب بادشاہ نے بزرگ کو اس قدر پختہ پایا تو وہ پلیٹ سامنے سے اُٹھالی گئی۔ بکری کے گوشت کی دوسری پلیٹ پیش کی گئی کہ یہ تو کھا لیجئے۔ فرمایا کہ اب یہ بھی نہ کھاؤں گا، اس لئے کہ یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ سور کا گوشت کھانے کے لئے بلایا گیا ہے، اس کے کھانے پر یہی مشہور ہوگا کہ سور کا گوشت کھایا ہے، میں کس کس سے کہتا پھرونگا کہ وہ سور کا گوشت نہ تھا، بلکہ بکری کا تھا، جو میں نے کھایا ہے، سو بدنامی اور چرچے سے بچنا بھی شرعی حکم ہے۔ جیسا ان بزرگ نے کیا۔ (صفحہ ۲۲۶)

سب سے پہلے اپنی فکرمندی کی ضرورت ہے

فرمایا، کسی کو کیا خبر ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، فرد کو سب سے پہلے اپنی خبر لینی چاہئے اور جب فرد اپنی فکر میں لگا ہوتا ہے تو اُس کو دوسروں کی فکر نہیں ہوتی۔ دیکھو، اگر ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہوجائے، اور اُس کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر کرو، وہ یہی کہے گا کہ تم اپنی ہی لئے پھرتے ہو، مجھے اپنی لگی ہوئی ہے، دوسروں کے پیچھے لگا رہنا، یہ سب بے فکری کی باتیں ہیں، کام میں لگو، اپنی فکر کرو، دوسروں کو چھوڑو۔ میرٹھ سے ایک صاحب کا خط آیا تھا۔ اُن کا مجھ سے تعلق تھا، جس کا خلاصہ دو مضمون تھے۔ ایک یہ کہ میں اور والد صاحب ایک جگہ رہتے ہیں۔ میں والد صاحب کو خلاف شرع باتوں پر روکتا ہوں، وہ نہیں مانتے۔ دوسرے یہ کہ ایک جگہ رہنے کی وجہ سے مجھے بعض شکایات پیدا ہوجاتی ہیں۔ میں نے سارے خط کے

جواب میں ایک شعر لکھ دیا، جو دونوں مضمون کو جامع تھا وہ شعر یہ ہے۔

کارِ خود کن کار بیگانہ مکن — ورزمین دیگران خانہ مکن

پہلا مصرعہ پہلے مضمون کے متعلق تھا اور دوسرا دوسرے کے متعلق۔ اس پر اُنہوں نے عمل کیا، فوراً دوسری جگہ مکان لے لیا اور کہنا سننا بھی چھوڑ دیا۔ پھر جو خط آیا تو لکھا کہ ساری پریشانیاں دفع ہوگئیں۔ میں یہ ساری باتیں تجربہ سے کہہ رہا ہوں، عمل کر کے دیکھو، تمہیں بھی معلوم ہوجائیگا۔ (صفحہ ۲۲۷)

دوست میں مشغول فرد پر ایک ہی فکر کا غالب ہونا

فرمایا، جو شخص دوست میں مشغول ہو، اسے دشمن کی کب فکر ہو سکتی ہے، اُس کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے، بلکہ وہ تو غیر کی طرف مشغول کرنے والے سے بھی یہی کہے گا۔ (صفحہ ۲۲۸)

(فرد و افراد کے لئے دنیا بھر کے تفکرات اور بکھیروں سے نجات کی واحد راہ محبوب حقیقی کے ساتھ مشغولی ہے، جسے یہ دولت حاصل ہوگئی، اسے گویا دین و دنیا کی ساری راحت میسر ہوگئی، جو اس دولت سے محروم ہوا، وہ زندگی بھر سکون وراحت کے لئے ترستا رہے گا، چاہے اس کے پاس دنیا بھر کے سکوں کا ظاہری سامان ہی کیوں نہ ہو)۔

باطنی امراض کے لئے اورادو وظائف کو کافی سمجھنے کا مرض

فرمایا، آجکل اکثر مشائخ تک محض اورادو کو تصوف اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں، چاہے طالب سر سے پیر تک امراض میں گھرا ہوا ہو، ان لوگوں کی نظر میں امراض کا علاج ضروری نہیں رہا، صرف وظائف ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ سو وظائف سے امراض کا علاج نہیں ہو سکتا، بلکہ اس حالت میں اُن امراض کے مہلک ہوجانے کا اندیشہ ہے، کیونکہ امراض کے ہوتے ہوئے اگر وظائف اور اوراد سے کچھ کیفیات اور لذات پیدا ہوگئیں تو وہ پھر عمر بھر ان امراض کی طرف توجہ نہ ہوگی اور طالب اپنے آپ کو مقصود پر پہونچا ہوا تصور کریگا اور ظاہر ہے، مریض کیلئے یہ حالت سخت خطرناک ہے کہ وہ مریض ہو کر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وظائف اور اوراد سے امراض کا علاج نہیں ہوسکتا۔ اصل علاج تدابیر خاصہ ہیں۔ (صفحہ ۲۳۲)

قلب کا اُس طرف متوجہ ہونا اور اس کے لئے کوشاں ہونا

فرمایا، بہت دنوں سے اس بات کی تمنا ہے کہ اپنے کو فارغ کروں، بلکہ کانپور کو چھوڑتے وقت یہی آرزو تھی کہ اپنے کو فارغ رکھونگا، لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے اور بندہ کیلئے خیر وہی ہوتا ہے اور فراغت سے میرے پیش نظر دو چیزیں تھیں، ایک دنیا کی دوسری دین کی، دنیا کی تو یہ ہے کہ دماغ کو آرام ملے اور دین کی یہ کہ کچھ اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا ہے، اب تک مجھے اس کے لئے کوئی وقت ہی نہیں ملا اور چونکہ دل زیادہ اسی طرف لگا ہوا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ لوگ الجھی ہوئی بات کہہ کر میرے قلب کو مشغول رکھنا چاہتے ہیں، جب کہ میں اسے فارغ رکھنا چاہتا ہوں، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بھائی، صاف بات کیوں نہیں کہتے، تاکہ قلب جلدی فارغ ہو، گول مول بات سے الجھن ہوتی ہے۔ باقی یہ خبر نہیں کہ میں نے اپنے لئے جو تجویز کیا ہے، وہ خیر ہے یا شر، مگر طبعاً دل چاہتا ہے کہ فراغت نصیب ہو۔ دوچار خاص احباب پاس رہیں، جب کبھی دل چاہے، اُن کے ساتھ جا بیٹھوں اور باقی سارا وقت اللہ اللہ میں صرف ہو۔ الحمدللہ سارے ضروری کام ہوگئے۔ (صفحہ ۲۳۴)

اللہ اللہ کے لئے وقت ملنے کی فکرمندی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی تو ساری عمر دین ہی کی خدمت میں صرف ہوئی اور اللہ کی مخلوق کو سیدھا راستہ بتاتے رہے فرمایا، جی ہاں، اب تک تو دوسروں ہی کو راہ بتانے میں وقت صرف ہوا ہے، اب دل تو یہی چاہتا ہے کہ کچھ اللہ اللہ کروں اور یہ فراغ تو وہ نعمت ہے کہ خود حضور ﷺ کیلئے بھی ایسا وقت تجویز فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اب ضروری کام ہوچکے، تسبیح وحمد واستغفار میں مشغول ہو کر یہاں آنے کی تیاری کرو۔ جب آپ کیلئے ایسے وقت کی ضرورت ہوئی تو دوسروں

کی تو حقیقت کیا ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہوں۔ (صفحہ ۲۳۵)

انگریزوں سے تعلق رکھنے کا الزام

فرمایا، ہم انگریزوں کے نہ معتقد نہ مُحب، اپنی مصلحت کی وجہ سے مخالفت مناسب نہیں سمجھتے، خلاصہ یہ ہے کہ ہم انگریزوں کے دوست نہیں، اپنے دوست ہیں۔ اور جہاں انگریزوں کو میرے متعلق یہ یقین ہے کہ وہ ہماری مخالفت نہیں کرتا، وہاں یہ بھی یقین ہے ہم سے تعلق بھی نہیں رکھتا۔ اور تعلق رکھنے میں بڑی خرابیاں بھی ہیں۔ تعلق رکھنا گویا آئندہ کیلئے امید دلانا ہے۔ بعض بدفہم اور بدعقل مسلمان مجھے بدنام کرتے ہیں کہ ان کا انگریزوں سے تعلق ہے۔ ارے عقل کے دشمنو، مجھے انگریزوں سے کیا تعلق ہوتا، تم سے تعلق ہے۔ میں نے انگریز سے عدم مخالفت کا جو مسلک اختیار کیا، اس میں اپنی قوم اور اپنے دین کی حفاظت پیش نظر ہے، کانپور میں مچھلی بازار کی مسجد پر فساد ہوا تھا۔ معزز مسلمانوں کے مشورہ سے ایک فیصلہ مرتب کیا گیا، اُس فیصلہ کے متعلق سرکاری طور پر میری رائے بھی معلوم کی گئی کہ اس فیصلہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے صاف لکھوا دیا کہ یہ فیصلہ اسلام کے خلاف ہے، اس لئے میری رائے اس کے خلاف ہے۔ مگر اس کا الزام ویسرائے پر نہیں، بلکہ اُن مسلمانوں پر الزام ہے، جنہوں نے وائسرائے کو غلط مشورہ دیا، اب مسلمانوں کو چاہئے کہ اس فیصلہ کی منسوخی کی درخواست کریں، اگر درخواست منظور ہوجائے، شکریہ کے ساتھ قبول کریں اور اگر منظور نہ ہو تو خاموشی کے ساتھ صبر کریں۔ جو انسپکٹر میری تحقیقی رائے کے کیلئے آئے تھے، وہ کہنے لگے کہ فیصلہ کو غلط بتانا، بہت سخت بات ہے، میں نے کہا کہ سخت ہوا کرے، اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، ہم سے رائے ہی کیوں لی گئی، رائے تو وہی ظاہر کی جائیگی، جو شریعت کا حکم ہے۔ مسئلہ تو اگر بادشاہ بھی پوچھے گا، اُس کا جواب بھی وہی دیا جائیگا، جو شرعی حکم ہے۔ اور ان کی حکومت ہمارے ہاتھ پیروں پر ہے، قلب پر تو حکومت نہیں۔ ہم حق کے واضح کرنے میں اُن کی کوئی رعایت نہیں کر سکتے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ اُنہوں نے خود سوال کیا ہے، ہماری رائے معلوم ہوجائے گی، اب آگے وہ جانیں،

وہ ذمہ دار ہیں، جو چاہیں نافذ کریں تو صاحب، ہم کو انگریزوں سے ایسا تعلق ہے، اس پر بھی اگر کوئی بدفہم اور کوڑ مغز غلط فہمی کا شکار ہو، اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ اور یہ معترضین، خود ہنود کی خوشامدوں میں دین وایمان کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں، اس کی کچھ پروا نہیں۔ (صفحہ ۲۴۰)

مجلسوں میں بیٹھنے کی روش، خطرہ سے خالی نہیں

فرمایا، وقت کو بیکار ضایع کرنا نہایت بُرا ہے، اگر کوئی بھی کام نہ ہو تو فرد کو چاہئے کہ گھر کے کام میں لگ جائے۔ گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور یہ کام عبادت میں بھی شامل ہے مجمعوں مین بیٹھنا، خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت، کسی کی شکایت، بعض مرتبہ غیبت تک نوبت آجاتی ہے، اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ (صفحہ ۲۴۰)

کسی کام کے درپے ہونے کے نقصانات
اور زندگی پر پڑنے والے اس کے مضر اثرات

ایک مولوی صاحب نے ایک دینی مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ آج کل لوگ نہ تو خود کوئی دینی خدمت کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ بے اصل اور بے سروپا اعتراضات کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، پھر مدرسہ کے حالات وواقعات اور امانت ودیانت کے ساتھ اُس کی خدمات کو انجام دینا اور اس پر لوگوں کے اعتراضات بیان کئے۔ حضرت والا نے غور سے تمام واقعات سن کر فرمایا کہ آپ نے جو واقعات بیان کئے، ٹھیک ہیں، آج کل مسلمانوں کی یہی حالت ہے، اس لئے کسی کام کے لئے کھڑے ہونے کے لئے دل نہیں چاہتا۔ اور مدرسہ ہی کی نہیں، ہر وہ کام جس کا عام مسلمانوں سے تعلق ہے، یہی گت بن رہی ہے۔ اور مدارس پر خصوصیت سے جو اعتراضات ہوتے ہیں، اُس کا بڑا سبب عام چندہ ہے۔ یہی چندہ فساد کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ یہاں پر جو مدرسہ ہے، بلکہ اسے مدرسی کہنا چاہئے، جب تک اس میں چندہ ترغیب معمول رہا، یہی حالت رہی، یعنی انتشار رہا، میں نے اس کو بالکل ہی حذف کر دیا۔ اب چندہ کی تحریک ہے، نہ

ترغیب، اس وقت بحمد اللہ امن ہے۔ اب رہا یہ خیال کہ پھر کام کیسے چلے گا، اس
کے متعلق سنئے۔ اپنا مسلک تو یہ ہے کہ جب تک کام چل رہا ہے چلتا رہے، جس
روز نہ چلے گا، بند کردینگے، مگر مانگیں گے نہیں، کیونکہ ہمارا کوئی ذاتی کام نہیں اور اس
کے ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ ہے کہ **مایفتح اللہ للناس من رحمة فلا ممسک لھا
وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم۔** اس کے بعد اُن
مولوی صاحب نے اپنے متعلق حضرت والا سے مشورہ چاہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔
فرمایا کہ مجھے آپ کے مقامی حالات معلوم نہیں، اس لئے کوئی مشورہ تو دے نہیں
سکتا، اس کو تو آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں، مگر ہاں ایک تجربہ کی بات عرض کئے دیتا
ہوں، وہ یہ ہے، جونہایت ہی نافع اور مؤثر ہے کہ کسی چیز کے درپے نہ ہونا چاہئے۔
اس لئے کہ اس میں دوخرابیاں ہیں، ایک تو اس سے لوگوں کو شبہ ہوجاتا ہے کہ اس
میں ان کا کوئی ذاتی غرض شامل ہے۔ اس لئے تو یہ اس کام میں غیر معمولی طور پر
متحرک ہے، دوسرے یہ کہ اس صورت میں گروہ بندی ہوجاتی ہے، پھر کوئی کام نہیں
ہوتا اور فرد، ان جھگڑوں میں پڑجاتا ہے اور توسع کرکے کہتا ہوں کہ یہ دوخرابیاں تو
لازمی ہیں۔ تیسری خرابی بھی ہے، وہ یہ کہ شروع میں تو نیت میں خلوص ہوتا ہے،
لیکن پھر جب بات آگے بڑھتی ہے اور اختلافات ہوجاتے ہیں تو نفسانیت بھی آجاتی
ہے۔ اس صورت میں اُس جدوجہد اور دوڑ دھوپ پر ثواب بھی نہیں ہوتا۔

یہ اہم معاملہ ہے، جس پر لوگوں کی نظر ذرا کم جاتی ہے، ویسے بھی یہ ایک
باریک بات ہے، اس لئے بحمداللہ میں کسی کام کے درپے نہیں ہوتا اور حکم بھی یہی
ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **امامن استغنیٰ فانت لہ تصدی وما علیک الایزکی**
یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ جس کام اور جس بات میں اُلجھن ہو، اس سے یکدم الگ
ہوجائے، اس کے پیچھے نہ پڑے اور دین کے کسی اور کام میں مشغول ہوجائے۔
مسلمانوں کے لئے کوئی خاص کام مقصود تو نہیں، مقصود تو محض رضا ہے، مگر شرط یہ
ہے کہ وہ فرض وواجب نہ ہو، اس لئے کہ فرض وواجب تو ہر حال میں ضروری ہیں۔
میں یہاں ان کاموں کے بارے میں عرض کررہا ہوں، جو فرض وواجب نہیں، اُن
میں اپنے قلب کو اتنا مشغول کیوں کیا جائے۔ قلب کے لئے ایک ہی مشغولی کافی

ہے۔ اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات کی مشغولی ہے، مسلمان کے ہر کام کا مقصود
رضاء حق ہی ہے، جو اسے ہر وقت حاصل ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے اپنے تجربات
کی بناء پر بیان کی ہیں، عمل کرکے دیکھئے، انشاء اللہ تعالیٰ راحت اور سکون نصیب ہوگا اور
خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں کہ کام بھی ہوگا۔ (صفحہ۲۴۱۔۲۴۲ جلد ہشتم)

(اس ملفوظ میں حضرت مولانانے دین کے حوالے سے معاشرہ میں پیدا ہونے
والی بعض اہم خرابیوں کی باریک بینی سے نشاندہی فرمائی ہے۔ آج ہمارے معاشرہ
میں مذہبی وسماجی جماعتوں، اور اداروں میں پیدا ہونے والی بیشتر خرابیاں اسی کمزوری
کا نتیجہ ہیں، وہ بنیادی خرابی یہ ہے کہ اصلاح نفس کی کمی وکوتاہی کی وجہ سے فرد، دین
کے ایک خاص کام کے پیچھے پڑجاتا ہے اور اس کی چاہت ہوتی ہے کہ دوسرے اس
کام کو دین کا اتنا ہی اہم کام سمجھیں، جیسا میں سمجھ رہا ہوں، نیز وہ اپنے فہم کے
مطابق شروع کردہ، اس کام کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔
بعض اوقات دین کے اس کام کا تعلق دین کے جزوی کاموں یا دعوتی طریق کار اور
حکمت عملی سے ہوتا ہے۔ کام کے درپے پڑنے کے نتائج یہ نکلنے لگتے ہیں کہ ہم
خیال افراد میں تفریق پیدا ہوکر گروہ بندی ہونے لگتی ہے، اس سے ایک دوسرے
سے کشمکش پیدا ہونے لگتی ہے۔ اگرچہ شروع میں اخلاص موجود ہوتا ہے، لیکن کشیدگی
پیدا ہونے کے بعد کام میں نفسانیت شامل ہوجاتی ہے۔ اس طرح کسی کام کے
درپے پڑنے کے نتیجہ میں تفریق، گروہ بندی، اور انتشار کے ساتھ نفسانیت جیسی
خرابیاں پیدا ہوجاتی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ دیندار اور نیک لوگوں سے یہ حرکت
سرزد ہوتی ہے۔ یعنی کسی کام کے درپے پڑنے کی حرکت۔ مرتب)

کاموں کے لئے وظائف اور عملیات
سے لوگوں کے عقائد میں خرابی کا پیدا ہونا

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ میں نے بہت سے وظائف اور
عملیات پڑھے، مگر کوئی نفع نہیں ہوا۔ میں قرضدار ہوں، آپ ہی کوئی مجرب عمل
بتادیجئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس قید (مجرب) کیساتھ مجھے کوئی عمل معلوم نہیں اور

فی نفسہ دعا سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ اس پر فرمایا کہ یہ جو میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ وظائف اور عملیات کی تعلیم سے بعض افراد کے عقائد خراب ہوجاتے ہیں، یہ اُس کا نمونہ ہے، اب اگر اس شخص کو کوئی آیت وغیرہ بتادی جاتی اور قرض ادا نہ ہوتا تو اُس کے عقیدے میں یہ بات پیدا ہوجاتی کہ آیات الٰہیہ میں بھی اثر نہیں، اور یہ ساری خرابی ان عاملوں کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ (صفحہ ۲۴۷ حصہ ہشتم)

تعویذ میں بعض اوقات
عقیدہ میں فساد پیدا ہونے کا خطرہ

فرمایا، کج فہم فرد کو تعویذ وغیرہ نہ دیا جائے، اگر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا تو سمجھتا ہے کہ اسماء الٰہیہ یا کلام الٰہی میں بھی تاثیر نہیں۔ حالانکہ اس تاثیر کا نہ وعدہ کیا گیا ہے، نہ دعویٰ اور اس سے بڑھ کر اگر اتفاق سے کسی آیت یا حدیث سے کامیابی نہ ہوئی اور معمولی عملیات سے کامیابی ہوگئی تو اس سے عقیدہ میں مزید فساد پیدا ہوگا کہ وہ معمولی عملیات کو قرآن وحدیث سے زیادہ بابرکت سمجھے گا۔ (صفحہ ۲۴۷)

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب
بے فکری اور بدانتظامی

فرمایا، انتظام کے بغیر سلطنت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ دیکھ لیجیے، ہندوستان میں کتنے زمانہ تک مسلمانوں کی سلطنت رہی، لیکن زوال کا سبب بے فکری اور بدانتظامی ہی ہے، اسی طرح جس گھر میں بدانتظامی ہوگی، اُس میں بھی برکت نہ ہوگی۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب یہی دو چیزیں ہیں، بے فکری اور بدانتظامی۔ بے فکری کے معنی یہ ہیں کہ فرد سوچے نہیں کہ اس کام کا انجام کیا ہوگا۔ اور بدانتظامی کے معنی یہ ہیں کہ فرد دیکھے نہیں کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا ہے، بے سوچے خرچ کرے۔ انتظام کے معنی یہ ہیں کہ یہ سوچا جائے کہ اگر میں خرچ نہ کروں گا تو اس میں کوئی دینی یا دنیوی ضرر تو نہیں، اگر ضرر ہے تب تو خرچ کرے، ورنہ نہ کرے، آج کل فضول خرچی کا نام بلند حوصلگی رکھا گیا ہے، اس بلند حوصلگی کے نتائج سنئے کہ اپنے مال سے گذر کر دوسروں کے مال پر نظر ہوتی ہے۔ قرض لیتے

پھرتے ہیں۔ پھر نوبت یہاں تک آتی ہے کہ عادت ہوجانے کی وجہ سے اگر قرض ویسے نہیں ملتا تو سودی قرضہ لینا پڑتا ہے، اس کا جو انجام ہے، وہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ دنیا اور دین دونوں برباد ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ ۲۴۸ حصہ ہشتم)

حسن کی طرف میلان نہ ہونا کوئی کمال نہیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اگر حُسن کی طرف میلان نہ ہو تو یہ بڑا کمال ہے۔ فرمایا، جی نہیں، یہ تو کوئی کمال کی بات نہیں، کمال تو یہ ہے کہ میلان ہو اور پھر اسے دبایا جائے اور اگر میلان نہ ہو تو تقویٰ کا نور کیسے پیدا ہو۔ (صفحہ ۲۴۹)

اکابر اور بزگان سلف پر تنقید کی روش
اور اس کے نتائج

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ زمانہ سلف میں کتب زیادہ نہ تھیں، لیکن علوم زیادہ تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے قرب زمانہ کی وجہ سے برکت زائد تھی۔ خیر کا غلبہ تھا، حافظے قوی تھے۔ نور ایمان بڑھا ہوا تھا۔ نیز علوم میں برکت اور ترقی تقوے سے بھی ہوتی ہے، اس زمانہ میں کتب زیادہ ہیں، مگر نہ وہ علوم ہیں، نہ وہ فنون، نہ وہ برکت، بلکہ اب تو اکثر جہل کا نام علم رکھ لیا گیا ہے۔ اور جہل کی وجہ سے ہر شخص متقدمین اور اکابر پر اعتراض کرنے کو تیار ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اُن حضرات نے کیا کارنامے سرانجام دیے، اس بے ادبی کی وجہ سے علوم میں برکت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ اکابر اور بزرگان سلف پر بدنیتی سے اعتراض کرنا، بڑی خطرناک بات ہے، یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ نیک نیتی سے اگر اختلاف کا درجہ ہو، وہ اس سے مستثنےٰ ہے، کیونکہ ایسا اختلاف تو ہر زمانہ میں چلا ہوتا آیا ہے۔ (صفحہ ۲۴)

(واضح ہو کہ جدید طبقات میں سلف کے علوم، ان کی تحقیق اور ان کی اسلامی تشریح سے عدم مناسبت اور اسلام کی جدید تشریح کے رجحان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جدید علمی شخصیتوں کی ذہنی نشوونما اور فکری اٹھان، جدیدیت اور جدید علوم کے پس منظر میں ہوتی ہے، اس لئے ان کی کوشش یہ ہے کہ اسلام کو کھینچ کھانچ کر جدیدیت

کے سانچہ میں پیش کیا جائے اور اسلام کے اہداف میں تعلق باللہ، فکر آخرت اور تہذیب نفس کی بجائے دنیاوی مقاصد کو سب سے بڑے ہدف کی حیثیت سے پیش نظر رکھا جائے۔ مرتب)

مختلف شانوں کے حامل اہل اللہ
ان پر اعتراض روا نہیں

فرمایا، جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانین مختلف ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شانین مختلف ہیں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی پر اعتراض کرے، بلکہ غیر محقق کو تو مشتبہ لوگوں پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہئے، اگرچہ اُن سے تعلق بھی نہ رکھنا چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہندستان کے مولوی صاحب نے بعض ایسے متعدد لوگوں کی شکایت کی، جن کو جہلاء درویش اور کافر سمجھتے تھے، حضرت نے اُن کی حالت کی تاویلین کرکے سب کو کفر سے بری کردیا۔ باقی جن کی حالت مشتبہ نہیں محض رنگوں کا اختلاف ہے تو ان پر اعتراض محض جہل ہے۔ جیسے انبیاء کا حق ہے لانفرق بین احد من رسلہ اسی طرح اولیاء کا حق ہے لانفرق بین احد من اولیاء اور شانوں کے مختلف ہونے کا منشا بعض اوقات رائے کی استعداد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ جیسے عینکیں مختلف رنگ کی ہوتی ہیں، اس سے رنگ میں شبہ ہوتا ہے۔ یا شیشوں کے اختلاف سے صورتیں مختلف نظر آنے لگتی ہیں، کسی میں چہرہ لمبا، کسی میں چوڑا، کسی میں بھدہ، کسی میں خوبصورت، حالانکہ صورت ایک ہی قسم کی ہے۔ (صفحہ ۲۵۱)

درویش نما غلط لوگوں کی روک ٹوک کا
شریعت کے تحفظ کی خاطر ہونا

فرمایا، کسی مصلح سے تعلق تو ضرور پیدا کرنا چاہئے، لیکن تعلق پیدا کرنے سے قبل دیکھ بھال کر لینے کی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیدینا چاہئے، اس راہ میں ہزاروں رہزن اور ڈاکو پھرتے ہیں، جنہوں نے مخلوق کی گمراہی کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ انہوں نے بظاہر درویشی کی صورت اختیار کی ہوئی ہے،

جب کہ حقیقت میں وہ بہروپیہ ہیں۔ خدا معلوم، لوگ ایسوں کے معتقد کیوں ہوجاتے ہیں، عجیب بات ہے کہ درویشی کا روپ اختیار کرنے والا جو شخص جتنا شریعت سے دور ہو، اس کو درویش اور مقبول سمجھتے ہیں، درویشی کا کوئی معیار ہی نہیں رہا، صرف چند اختراعی چیزوں کا نام درویشی رکھ لیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ سب کو مکار بھی نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ بعض غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں، اُن کی نیت بُری نہیں ہوتی، مگر ایسے درویش نما افراد سے بھی تعلق قائم کرنے سے روکا جائیگا اور اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ وہ خود غلطی میں مبتلا ہے، ایسا شخص دوسروں کی کیا رہبری کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے عوام کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے، خاص طور پر اگر تعلق رکھنے والا صاحب علم ہو تو اس سے انتظام شریعت میں خلل واقع ہوگا، اس سلسلہ میں جو بھی روک ٹوک کی جاتی ہے، وہ شریعت مقدسہ کی حفاظت ہی کے لئے تو کی جاتی ہے، ورنہ کسے علم ہے کہ کون مردود ہے اور کون مقبول۔ (صفحہ ۲۵۳)

(تصوف میں صحیح اور محقق بزرگ کا انتخاب بہت ضروری ہے، ورنہ شیخ کے فکر و نظر میں جو کمیاں و کوتاہیاں ہوں گی، وہ مرید میں ازخود منتقل ہوتی جائیں گی، شریعت سے بے نیاز صوفی جو محض عشق کے دعویدار ہیں اور بدعت کی طرف راغب صوفی، ان سب سے احتیاط ضروری ہے۔ مرتب)

صوفیوں کی شکل اختیار کرنے کی افادیت

فرمایا، بعض اوقات، افراد پر صورت کا بھی اثر ہوتا ہے، اچھی صورت کا بھی تو بُری صورت کا بھی۔ اس بارے میں بزرگوں نے ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص صوفیوں کی صورت اختیار کرے، خواہ ریا سے ہو یا مکاری سے، اُس کی بھی تحقیر نہ کی جائے، اس لئے کہ فرد، صورت اُسی کی اختیار کرتا ہے، جس کی دل میں عظمت اور احترام ہوتا ہے۔ سو یہ نقل کرنا، اس بات دلیل ہے کہ اس کے دل میں اس جماعت کی عظمت ہے اور اس سے نیچریوں کے اس شبہ کا جواب بھی نکل آیا، جو وہ حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم میں اشکال کرتے ہیں، کیونکہ اگر ان کے قلب میں اہل باطل کی عظمت اور احترام نہ ہوتا تو ان کی شباہت اختیار نہ کرتے۔ (صفحہ ۲۵۳)

شہرت کی دوصورتیں
اوراس سے بچنے کے لئے کوشاں ہونا

فرمایا، شہرت کی دوصورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اختیار اور طلب سے حاصل ہو، یہ تو مضر ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ غیراختیاری ہو، وہ نعمت ہے، بلکہ اس غیراختیاری شہرت میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ شہرت، گمنامی سے بھی افضل ہوگی اور عموما اللہ کے بندے گمنام ہونا چاہتے ہیں اور اپنے کو مٹاتے اور فنا کرتے رہتے ہیں، مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور زیادہ مشہور ہوتے رہتے ہیں، باقی فی نفسہ مشہور شخص پر مخلوق کی حسد، طعن اور غصہ کی حالت غالب ہوتی ہے، وہ حالت ہوتی ہے، جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چشمہا وخشمہا ورشکہا　　برسرت ریزد چوآب از مشکہا

گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے سو جہاں تک ہو سکے، فرد شہرت سے بچنے کی تدابیر اختیار کرتا رہے، اس پر بھی اگر شہرت حاصل ہو تو ہو۔ (صفحہ ۲۵۶)

(شہرت، عزت اور مان ومرتبہ کی تمنا، انسان کی سب سے بڑی نفسیاتی بیماری ہے۔ ہر باصلاحیت فرد، ہر قیمت پر شہرت اور عزت کا طالب ہے اور اس کے لئے کوشاں بھی، حالانکہ شہرت کی وجہ سے آخرت میں لاحق خطرات کے علاوہ اس دنیا میں یہ خطرہ بھی کوئی کم خطرناک نہیں کہ اس کی وجہ سے فرد، لوگوں کے حسد اورغیظ وغضب کا شکار ہونے لگتا ہے۔ مرتب)

مسلمانوں میں مل کر کام کرنے کی
صلاحیت کا مفقود ہونا

فرمایا، مسلمانوں کی کامیابی کے لئے کس کا دل نہیں چاہتا، ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے، مگر اُس کی کوئی صورت بھی تو ہو اس سلسلہ میں قوت اور وسعت کو بھی تو دیکھا جائے گا۔ اگر دھوپ آنے میں کوئی دیوار حائل ہو، دل چاہتا ہے کہ دھوپ آئے تو اُس دیوار کے ہٹانے کا آخر کیا طریقہ ہے۔ کیا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ہٹانے کے لئے دیوار سے ٹکریں ماری جائیں، اگر فرد ایسا کرے گا تو اس کا جو

نتیجہ ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ دو مسلمان مل کر اتفاق سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ پھر اُس پر ایسے بلند خیالات۔ کیا ایسی قوم کبھی فلاح پا سکتی ہے، اگر مسلمانوں میں اہلیت ہوتی تو ان کے دستور العمل کے لئے ''حیوۃ المسلمین'' اور ''صیانۃ المسلمین'' کتابوں میں کافی ووافی ذخیرہ ہے۔ اُس میں مسلمانوں کی دنیا اور آخرت سب کی بہبود اور فلاح کا کافی ذخیرہ ہے اور کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے، کئے بغیر کچھ نہیں ہوا کرتا اور اُس کرنے میں بھی یہ شرط ہے کہ طریقہ سے اور اصول وقواعد اور شرعی حدود کا تحفظ کرتے ہوئے کیا جائے اور یہ سب کچھ ''حیوۃ المسلمین'' اور ''صیانۃ المسلمین'' میں موجود ہے۔ اگر مسلمان ان کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ میں خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں کہ وانتم الاعلون کا ظہور ہوجائے۔ (صفحہ ۲۵۸ حصہ ہشتم)

دوستی اور دشمنی میں حدود کوملحوظ رکھنے کی تعلیم

فرمایا، حد سے گذر کر ہر چیز مذموم ہے۔ حدیث میں تعلیم ہے کہ حد سے گذر کر دوستی مت کرو، ممکن ہے کہ کسی وقت دوری اور بغض پیدا ہوجائے۔ اسی طرح حد سے گذر کر، دشمنی مت کرو، ممکن ہے کہ پھر دوستی کے تعلقات پیدا ہوجائیں تو اُس وقت شرمندگی ہوگی کہ ہم نے اس کے ساتھ دشمنی کی تھی، غرض کہ اسلامی تعلیم میں ہر طرح کی راحت موجود ہے، کیسی پاکیزہ اور عجیب تعلیم ہے۔ سبحان اللہ، یہ باتیں ہیں قابل وجد۔ لیکن ڈھولک اور سارنگی کے وجدیوں کو ان چیزوں کی کیا خبر، وہ تو نفسانی لذتوں میں مبتلا ہیں، حقائق سے بالکل کورے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۰)

اہل کمال میں تصنع کا نہ ہونا
ان کے حظ کے لئے کمال ہی کافی ہوتا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا، جی ہاں، اہل کمال میں تصنع نہیں ہوتا، یہ کمال کی خاصیت ہے، خواہ وہ کمال کسی قسم کا ہو، ہر اہل فن اور ہر اہل کمال کی یہی حالت ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب کمال کے حظ کیلئے خود کمال ہی کافی ہے، اسے دوسروں پر ظاہر کرنے اور تصنع کی ضرورت ہی لاحق

نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل کمال کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے، اُن کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کوئی کیا کہے گا۔ دوسرا جو کہے گا، یہ اُس سے زیادہ خود اپنے کو کہنے کو تیار ہیں۔ میں ہی اپنی حالت بیان کرتا ہوں، حالانکہ میں اہل کمال میں سے بھی نہیں، ہاں اہل کمال کو دیکھا ضرور ہے، اُس کا یہ اثر ہے کہ بحمداللہ، ذرہ برابر بھی وسوسہ نہیں ہوتا کہ کوئی کیا کہے گا۔ اس کے متعلق اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں۔

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سُن غیروں کی بات ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

بعض مقامات سے خواب لکھے ہوئے آتے ہیں، لکھدیتا ہوں کہ مجھے تعبیر سے مناسبت نہیں۔ بعض فتوئی کے متعلق سوالات آتے ہیں، اُن پر لکھدیتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند یا سہارنپور سے معلوم کرلو۔ بعض افراد اعتراض لکھ کر بھیجتے ہیں۔ میں جواب ہی نہیں دیتا، خواہ معترضین یہی سمجھتے ہوں کہ ان کو آتا جاتا نہیں۔ جواب نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ معترض کے بدلے جواب کو سمجھے گا کون، اس لئے بھی دل جواب دینے کو نہیں چاہتا۔ ہاں سمجھدار منصف فرد اعتراض کرے تو دل چاہتا ہے کہ اسے جواب دیا جائے۔ (صفحہ۳۶۲)

(کمال سے بے نیازی پیدا ہوجاتی ہے، یہ کمال کی خاصیت ہے، لیکن کمال حاصل کرنے کے لئے زندگی کا قابل ذکر حصہ فنا ہونا پڑتا ہے۔ فنائیت کے بغیر کمال کا حصول ممکن نہیں، لیکن روحانیت کا یہ کمال جب حاصل ہوجاتا ہے تو فرد کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ دنیا بھر کی تعریف وتنقید سے بے پرواہ ہوجاتا ہے، بلکہ مخالفوں کے لئے بھی اس کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مرتب)

گانے سے امراض کا علاج ہوجانا

کچھ اہم نکات

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گانے سے مرض کا علاج ہوجانا، یہ کونسی عجیب بات ہے، اس لئے کہ اصل میں صحت کا مدار ہے طبیعت کی بحالی وخوشی پر، اگر وہ گانے سے حاصل ہوجائے تو مرض کا علاج ہوسکتا ہے اور اُس سے مرض زائل ہوسکتا ہے اور گانے کے اور بھی بعض بُرے آثار ہیں۔ تان سین کے

گانے کی یہ حالت تھی کہ اُس سے بارش ہوجایا کرتی تھی، اس راگنی کو لاد کہتے ہیں۔ ایک اور راگنی ہے، اُس کا نام دیپک ہے، اُس سے چراغ روشن ہوجاتا ہے، حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی تھی کہ دہلی میں ایک شخص تھا، اُس نے ایک بار گایا تو اُس سے تمام درودیوار میں ایک زلزلہ برپا ہوگیا تھا، اسی طرح گانے سے بعض اوقات نفس میں بُرا ہیجان پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس سے ممانعت فرمائی گئی۔ (صفحہ۲۶۳ جلد ہشتم)

(حقیقت یہ ہے کہ گانا، فرد وافراد میں ہی نہیں، بلکہ جانوروں تک کے تن وبدن میں آگ لگا دیتا ہے۔ گانے سے فرد کی وہ حالت ہوجاتی ہے، جو جوگی فقیر کی طرف سے بین بجاتے رہنے سے سانپ کی ہوجاتی ہے کہ وہ زبان حال کہنے لگتا ہے کہ جوگی فقیر کی ٹوکری کے علاوہ مجھے ہر جگہ آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ مرتب)

دعوتی کام کے ثمرات سے بے نیاز ہونا چاہئے

فرمایا، دعوت کا کام بڑا کام ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مبلغ کو ہر صورت میں اپنا کام کر چاہئے، کسی ثمرہ کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ ثمرہ جن کے اختیار میں ہے، جب حکمت اور مصلحت ہوگی، وہ مرتب فرمائیں گے اور اگر نہ بھی مرتب فرمائیں تو یہ بھی ایک ثمرہ ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں، سو فرد کو اس انتظار اور کاوش میں نہ پڑنا چاہئے، اسے اپنا کام کرتے رہنا چاہئے، جو اختیاری ہے، ثمرہ غیراختیاری چیز ہے، اس کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ (صفحہ۲۶۴)

(داعی کے سامنے ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ محبوب حقیقی کی رضامندی کا مقصود ہے۔ اس لئے زندگی بھر کی کاوشوں کے باوجود اگر مادہ پرست ماحول کے اثرات اور ناسازگار حالات کی وجہ سے اس کے کام کے بظاہر مفید اثرات ظاہر نہیں ہوتے تو حقیقی داعی پریشان نہیں ہوتا، نیز اس کی جدوجہد میں بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ مرتب)

ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنے کی گنجائش کا ہونا

فرمایا، ایک بی بی کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ بعض عورتیں قرض لے جاتی ہیں

پھر واپس نہیں دیتیں، اب میں یہ کرتی ہوں کہ جب کوئی قرض مانگنے آتی ہے تو میں کہدیتی ہوں کہ میرے پاس نہیں، اس جھوٹ سے بچنے کا علاج فرمایا جائے، میں نے لکھدیا ہے کہ اس جھوٹ سے گناہ ہی نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں مزید فرمایا کہ ضرر سے بچنے کیلئے جھوٹ بولنا جائز ہے، لوگ شریعت میں تنگی کی شکایت کرتے ہیں، کیا یہ تنگی ہے اور اس میں ایک تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت میرے پاس جیب میں نہیں، مگر ایسی تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (صفحہ ۲۶۴)

جاہ کے جذبات کو نکالنے کی کوشش کے باوجود نہیں نکلتی کا جواب

فرمایا، ایک رئیس کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ جاہ اور حکومت کے جذبات نکالنے کی کوشش کے باوجود عزت وشہرت اور حکومت کی بو نہیں نکلی۔ میں نے لکھدیا ہے کہ آپ صرف نکالنے کے ذمہ دار ہیں، نکلنے کے نہیں، اگر نکالنے پر بھی نہیں نکلی، رہنے دیجئے، آپ کا ضرر ہی کیا ہے۔ پھر اس پر فرمایا کہ کیا کہیں دوسری جگہ تربیت کے باب میں اتنی سہولت موجود ہے۔ (صفحہ ۲۶۴)

دوسروں کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی سوال کا جواب

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ دوسروں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی، تکلیف میں دیکھ کر امداد کرتا ہوں، پھر خود کو تنگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج فرمایئے۔ میں نے لکھدیا ہے کہ اپنی راحت اور دوسروں کی راحت علی وجہ الکمال جمع نہیں ہوسکتی، اب اس میں دو مکتبہ فکر ہیں، بعض کو اپنی راحت مقدم ہوتی ہے اور بعض کو دوسروں کی، اب اپنا تحمل اور اپنی ہمت دیکھ لیں۔ جب تک آدمی برداشت کر سکے کرے، جب تکلیف ہونے لگے، چھوڑ دے۔ دوسرے کی راحت کو زیادہ اہمیت دینے میں کبھی یہ خرابی ہوتی ہے کہ واجب حقوق فوت ہونے لگتے ہیں۔ اور ان بزرگ کا سوال کرنا، یہ خود دلیل ہے عدم تحمل کی۔ (صفحہ ۲۶۴)

غریب شیخ کی محض توجہ سے کیا ہوتا ہے

فرمایا، شیخ کی محض توجہ سے کیا ہوتا ہے، جب تک کہ فرد خود اپنی اصلاح کی فکر نہ کرے اور غریب شیخ اور بزرگ تو کس شمار میں ہیں، خود حضرات انبیاء علیہم السلام کی توجہ بھی کافی نہ ہوئی، جب تک کہ دوسروں نے خود اصلاح کی فکر نہ کی۔ (صفحہ ۲۶۵)

اولیاء سے دشمنی کرنا اللہ سے جنگ کرنا ہے

فرمایا، میں صوفیہ کو مقدم رکھتا ہوں، ہاں، یہ ضرور کہوں گا کہ یہ عشاق ہیں۔ عشاق کی شان میں گستاخی کرنا، اُن سے عداوت کرنا، انہیں اذیت پہونچانا، حسب حدیث **من عادی لی ولیا فقد آذنة بالحرب** حق تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے۔ (صفحہ ۲۶۹)

(حقیقی اہل اللہ، جو اللہ کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں، دنیا واہل دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ درویشی اور فقر پر راضی رہتے ہیں۔ اللہ ورسول کی اطاعت سے عشق کی حد تک تعلق رکھتے ہیں، اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستے پر لانے کے حریص ہوتے ہیں۔ ایسے اہل اللہ سے دشمنی کرنا، اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے دشمنی اختیار کرنے والے افراد کی ساری زندگی سکون وراحت سے محروم رہتی ہے، ان کی یہ دنیاوی زندگی مسائلستان بن کر رہ جاتی ہے۔ مرتب)

عملیات کی حیثیت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، عامل بھی صاحب نسبت ہوسکتا ہے۔ فرمایا، کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی بہت بڑے شیخ ہیں۔ ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مولانا کے ایک مرید تھے، اُن کا خیال تھا کہ مولانا عامل ہیں، عملیات سے لوگوں کو ہدایت کیلئے تسخیر کرتے ہیں۔ مولانا کو ان کے اس خیال کی اطلاع ہوگئی۔ فرمایا، نعوذ باللہ، استغفراللہ۔ توبہ توبہ۔ ارے معلوم بھی ہے، عملیات میں مشغول ہونے سے باطنی نسبت سلب ہوجاتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملیات اصل میں ایک قسم کے تصرفات ہیں، جو دعوے ہے اور ایسا تصرف عبدیت کے منافی ہے۔ (صفحہ ۲۷۳)

(عملیات کو تسخیر کا ذریعہ بنانا، اس طرح لوگوں کو مرید بنانا اور اپنے حلقہ اثر

کو بڑھانے کے لئے کوشاں ہونا، موجودہ دور میں بزرگی کے نام پر یہ رجحان کافی بڑھا ہے، اس کا جو بڑا نقصان ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے بزرگ نما افراد کو دولتمندوں سے تعلق خاطر کی راہ پر لگا دیا جاتا ہے اور درویشی اور فقر کی نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے، عبدیت کے منافی عمل کی آخر سزا تو ملنی ہے۔ (مرتب)

عملیات کو عوام کی طرف سے ملکوتی چیز سمجھنا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، جیسے عملیات میں خطرہ ہے، حالانکہ یہ بھی ایک ظاہری تدابیر میں سے ہے تو اسی طرح دوا میں بھی خطرہ ہوگا۔ فرمایا، عملیات میں فتنہ ہے۔ دوا میں فتنہ نہیں، وہ فتنہ یہ ہے کہ عامل کی طرف بزرگی کا خیال ہوتا ہے، طبیب کی طرف بزرگی کا خیال نہیں ہوتا، عوام، عملیات کو ظاہری تدبیر خیال نہیں کرتے، بلکہ اسے سماوی اور ملکوتی چیز سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے متعلق عوام کے عقائد نہایت بُرے ہیں۔ (صفحہ ۲۷۴)

طبعی اسباب کی دو قسمیں

فرمایا، طبعی اسباب کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری دوسری خفی۔ مثلاً جیسے طبعی اسباب میں سے ہے کہ آگ سے روٹی پکائی جائے، ایسے ہی یہ بھی ہے کہ توجہ سے روٹی پکائی جائے، دونوں طبعی اسباب ہیں، فرق یہ ہے کہ ایک ظاہری ہے دوسرا عمل خفی، ایک میں فتنہ ہے، دوسرے میں فتنہ نہیں۔ (صفحہ ۲۷۵ جلد ششم)

اسلامی حکومت کے حصول
کے لئے جدوجہد کا فرض ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر قدرت ہے تو تلوار لے کر غلبہ حاصل کرو، اس سے کون منع کرتا ہے۔ اور اگر اس کی قدرت حاصل نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے تو صبر کرو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لاتلقوا بایدیکم الی التھلکة سارا مدار قوت اور قدرت پر ہے، جس طرح نماز روزہ فرض ہے، اسی طرح حکومت بھی فرض ہے، لیکن اس وقت جبکہ قدرت حاصل ہو اور عدم قدرت پر ایسا کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس وقت کافی قدرت کا نہ ہونا، اظہر من الشمس ہے

اور جتنی قدرت حاصل ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی نے دیا سلائی جلائی اور اُس پر دوسرے نے ہاتھ رکھ دیا اور وہ بجھ گئی، ایسی قوت اور قدرت سے کیا کام چل سکتا ہے۔ (صفحہ ۲۷۶)

(آج کل اسلامی حکومت کے غلبہ کے لئے تنظیمیں قائم ہیں، کارکن زندگیوں کا بڑا حصہ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں صرف کرتے ہیں، لیکن دینی ومذہبی اعتبار سے افراد معاشرہ کی تیاری اور خود اسلامی تنظیموں سے وابستہ افراد کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ وتہذیب نفس کا کام بُری طرح متاثر ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ تیزی سے اندر سے کھوکھلا ہوتا جارہا ہے، اپنے حصہ اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام تو ہوتا نہیں، جو اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کام ہے، اس کی فکر دامنگیر ہے۔ اصلاح نفس کی فکر کو مقدم نہ سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جماعتیں اور اس کے کارکن قیل وقال کی طرف راغب ہوجاتے ہیں اور عمل کی روح مضمحل ہوجاتی ہے۔ مرتب)

جہاد کی ضرورت کیوں ہے؟
سوال کا جواب

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، اتنا کام جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے، صلح سے بھی ہوسکتا ہے پھر آخر جہاد کیوں فرض ہے۔ فرمایا ایک اور صاحب نے بھی مجھ سے یہ بات پوچھی تھی، میں نے ان کو یہ جواب دیا تھا کہ صلح کیلئے بھی قوت اور قدرت کا ہونا ضروری ہے، صلح میں بھی برابری کی ضرورت ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت کافر صلح توڑ دیں تو اُس وقت مقابلہ تو کرسکیں گے، اگر پہلے سے قوت اور قدرت ہوگی۔ (صفحہ ۲۷۶)

نفس کی خرابی کا ایک علاج

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جو کسی باطنی مرض کے متعلق تھا، فرمایا کہ اس کا تو بہت سہل علاج ہے کہ فرد، نفس کو کسی خرابی میں مبتلا دیکھے تو اُس پر وعظ میں ایک مضمون بیان کردے، اس ترکیب سے انشاء اللہ تعالیٰ فوراً فضل شامل ہوگا۔ یہ میرا تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا ہے کہ جہاں نفس میں کوئی گڑ بڑ دیکھی،

وعظ میں اس پر ایک مضمون بیان کر دیا، فوراً فضل ہوگیا۔ اس لئے کہ اُس کے بعد اس کے خلاف عمل کرنے سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ ممبر پر بیٹھ کر دوسروں کو تو نصیحت کی اور خود عمل نہ ہو، اس لطیف تدبیر سے انشاء اللہ تعالیٰ بڑا نفع ہوگا، کر کے دیکھنے کی چیز ہے۔ (صفحہ۲۷۹)

(اس ملفوظ میں حضرت مولانا نے نفس کی خرابی کا ایک علاج بیان کیا ہے۔ یہ علاج منتہی صوفی کا ہے، ورنہ مبتدی ومتوسط صوفی کو تو ایک عرصہ تک شیخ کی نگرانی میں راہ سلوک میں چلنا پڑتا ہے۔ آتش عشق میں جلتے رہنا اور شیخ کی مسلسل صحبت ہی اس کا علاج ہے۔

منتہی صوفی کو بھی بعض اوقات نفس کی فریب کاریوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ نفس کے انتباہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس خرابی کے موضوع پر تقریر اور گفتگو کی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس فریب نفس کے اثرات ونتائج کے موضوع پر تحریر لکھی جائے۔ مشاہدہ ہے کہ اس تحریر سے بھی فضل ہوجاتا ہے اور نفس کو انتباہ ہوجاتا ہے۔ مرتب)

مسلمانوں میں اجتماعی نظام کا نہ ہونا
ہی اصل کمزوری ہے

فرمایا، لوگوں کا یہ خیال غلط ہے، مسلمانوں میں اب بحمداللہ سب کچھ ہے۔ صرف ایک چیز کے نہ ہونے سے کچھ نہیں معلوم ہوتا، وہ چیز ان کی اجتماعی حالت کا نہ ہونا ہے۔ ورنہ اور کیا چیز ہے، کس چیز کی کمی ہے۔ علم بھی ہے۔ عقل بھی ہے۔ فہم بھی ہے۔ مال بھی ہے، جائداد بھی ہے۔ شجاعت اور قوت بھی ہے۔ جوش وخروش بھی ہے۔ حمیت اسلام اور غیرت اسلام بھی ہے، ساتھ ہی سکون اور صبر بھی ہے، اگر نہیں تو محض اجتماعی حالت نہیں۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے بندے بڑے بڑے کونوں میں پڑے ہیں۔ اس وقت بھی مسلمان ایسے گرے ہوئے نہیں، جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ (صفحہ۲۹۷)

بے تابی واضطراب کا خدا کی نعمت ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جنہوں نے اضطراب کی شکایت

کی تھی، فرمایا کہ ضرورت ہی کیا ہے سکوں کی، اگر عمر بھر بھی سکوں نصیب نہ ہو تو ضرر کیا ہوا، اس لئے کہ اضطراب بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اُس میں بھی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ (صفحہ۳ حصہ نہم)

(اضطراب اور بے تابی، طالب کو محبوب کی راہ میں چلنے کے لئے ابھارتی اور اٹھاتی رہتی ہے۔ فرد پر اپنی اصلیت کا راز حالت اضطراب میں ہی منکشف ہوتا ہے، فنائیت کے سفر میں اضطراب اور بے تابی کا کردار فیصلہ کن ہوتا ہے، اس لئے طالب کو اس پر بہت زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔ مرتب)

نماز کے بارے میں صوفیاء کی باتیں

فرمایا، یہ تو جہلاء کی باتیں ہیں کہ ہمیں نماز کی روح حاصل ہے، اسلئے ہمیں نماز کی ضرورت نہیں، ہم ظاہر پرست نہیں، ہمیں ظاہری اعمال سے کیا لینا۔ ہمیں نہ جنت کی پروا ہے، نہ دوزخ کی، جہلا کی ایسی واہیات باتیں ہیں، جس کا نام اُنہوں نے روح رکھا ہے۔

روح، نماز کی صفت ہے، جب کہ نماز ذات ہے اور ذات اہم اور اصل ہوتی ہے جب کہ صفت اُس کی تابع ہوتی ہے، دوسرے نماز کی جو روح مقصود ہے، وہ خاص روح ہے، جو اسی ہیئت میں پائی جاتی ہے، جیسے انسان کہ اُس کا جزو اعظم روح ہے، مگر اس شرط سے کہ وہ اس خاص قالب سے متعلق ہو، ورنہ یہی روح کسی بندر کی قالب میں ہوتو اُس میں انسانی شرف نہ ہوگا۔ (صفحہ۸)

شیخ سے بے تکلفی مطلوب ہے

فرمایا، شیخ سے بے تکلفی کا درجہ مطلوب اور مفید ہے، جو درجہ بے حجابی تک ہو، مطلب یہ ہے کہ حجاب نہ رہے، ایسی بے تکلفی نہ ہو، جو گستاخی اور بے ادبی تک پہونچ جائے، ہرچیز کے حدود اور آداب ہیں اور یہ سب باتیں چند روز صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ (صفحہ۸)

صاحب حال سے اعمال میں کمی کا واقع ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اکثر صاحب حال کو دیکھا ہے کہ اُن کے اعمال

میں کمی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ وہ حال کے غلبہ کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ باقی حال سے اعمال ہی زیادہ قیمتی ہیں۔ عرض کیا کہ نماز میں خشوع میں جو اختیار سے یکسوئی ہوگی، کیا اُس کو خشوع کہیں گے، فرمایا، خشوع اُسی یکسوئی کو کہیں گے، جو اختیار سے ہو۔ (صفحہ ۱۰ حصہ نہم)

(واضح ہو کہ ذکر میں استغراق کی وجہ سے متوسط صوفی کی دوسری نفلی عبادتوں اور معاملات میں انہماک میں کافی کمی واقع ہوجاتی ہے، چونکہ وہ کثرت ذکر کے نور سے نفس کی قوت کو پامال کرنے اور اخلاص کامل پیدا کرنے کی راہ پر گامزن ہے، اس لئے ذکر میں اس کے اس انہماک کو للّٰہیت وخداری کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ مرتب)

شیخ کی تعلیم میں برکت کی شرط

فرمایا، غیر متقی کا شیخ ہونا ممکن ہے، جیسے بدپرہیز کا طبیب ہونا ممکن ہے، کیونکہ ماہر فن کے ہونے میں متقی ہونے کی قید نہیں۔ ہاں متقی اور غیر متقی میں یہ فرق ضرور ہوگا کہ شیخ اگر متقی ہے تو اُس کی تعلیم میں برکت ہوگی اور غیر متقی شیخ کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی، متقی کا ایک جملہ کہہ دینا، ساری عمر کی رہبری کیلئے کافی ہوگا۔ متقی اور غیر متقی کے اس فرق پر یاد آیا۔ ایک بزرگ کے پاس ایک بچہ کو لایا گیا اور عرض کیا کہ یہ گڑ بہت کھاتا ہے، اس کو منع فرما دیجئے کہ یہ گڑ کھانا چھوڑ دے، بزرگ نے فرمایا کہ اس کو کل لانا، چنانچہ اسے اگلے روز لایا گیا، آپ نے اُس بچہ کو گڑ کھانے سے منع فرمایا کہ میاں، گڑ زیادہ نہیں کھایا کرتے، بچہ پر اثر ہوگیا، کھانا چھوڑ دیا۔ بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کل ہی منع فرمادیتے تو کیا بات تھی۔ فرمایا کہ کل تک میں بھی کھایا کرتا تھا، اب کل سے میں نے نہیں کھایا، خود چھوڑ کر کہنے کا اثر ہوا، جس طرح شیخ کے لئے تقویٰ کا ہونا برکت کی شرط ہے، اسی طرح بعض چیزیں اسی برکت کی شرط ہیں، مثلاً اگر شیخ کے لئے خلوت کا کوئی وقت معمول نہ ہو تو اُس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "ان لک فی النھار سبحا طویلا واذکر سم ربک وتبتل الیہ تبتیلا" سے پہلے "ان لک فی النھار سبحا طویلا" فرمایا یعنی دن میں کام زیادہ رہتا ہے اور اسی وجہ سے ذکر وتبتل کے

لئے فرصت نہیں ہوتی، اس لئے اس کے لئے شب کا وقت تجویز کیا گیا اور اس کا راز یہ ہے کہ تعلیم میں برکت کے لئے نور کی ضرورت ہے اور نور پیدا ہوتا ہے ذکر کامل سے اور ذکر کامل کے لئے ضرورت ہے خلوت کی۔ (صفحہ ۱۳۔۱۴ حصہ نہم)

کامل ہونے کا مرض

فرمایا، یہ کیا کم مرض ہے کہ طالب میں اپنے کامل ہونے کا شبہ پیدا ہو اور وہ اپنے کو اصلاح ومجاہدہ سے فارغ اور مستغنی سمجھنے لگے، یہ سخت غلطی ہے، ایسے سالک کو تو ظاہری وباطنی اعمال کے اور زیادہ اہتمام اور مشغول مع اللہ ہونے کی ضرورت ہے، اس لئے بھی کہ اس کی معرفت زیادہ ہے اور زیادہ معرفت سے حقوق میں زیادتی ہوجاتی ہے، دوسرے اس لئے کہ اس کا اثر دوسروں تک پڑتا ہے۔ (صفحہ ۱۴)

(بعض طالبوں میں ذکر وفکر میں انہماک ویکسوئی سے اندر کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور انہیں کشف، مشاہدات اور بزرگوں کی ارواح سے ملاقاتیں ہونے لگتی ہیں۔ اس سے بعض اوقات متوسط طالب کی ترقی رک جاتی ہے اور وہ شیخ سے مستغنی سمجھ کر اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے، اس طرح کشف ومشاہدات ان کے لئے بہت بڑا حجاب بن جاتے ہیں۔ مرتب)

زیادہ بزرگوں سے ملتے رہنے کے نقصانات

فرمایا، اگرچہ یہ بات نئی سی ہے، مگر ضروری ہے، وہ یہ کہ طالب کو زیادہ بزرگوں سے بھی نہیں ملنا چاہئے۔ اس سے بڑی گڑ بڑ پیدا ہوجاتی ہے، اسلئے کہ بزرگ بھی مختلف احوال اور مختلف مزاج کے ہوتے ہیں۔ سب احوال کے اثرات سے کوئی ایک رنگ بھی غالب نہیں ہو پاتا، فرد آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوجاتا ہے۔ بعض طالبوں کو عادت ہوتی ہے، یہاں گئے وہاں گئے۔ (صفحہ ۱۵ حصہ نہم)

(مبتدی ومتوسط طالب اگر متعدد بزرگوں سے ملتا رہے گا تو مختلف بزرگوں کے اثرات ٹکراتے رہیں گے، جس سے نہ صرف یہ کہ اس کی اصلاح بُری طرح متاثر ہوگی، بلکہ وہ فکری انتشار کا شکار بھی ہوجائے گا۔ جس طرح مریض بیک وقت دو یا تین ڈاکٹروں کی دوائیں استعمال کرکے نقصان ہی اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ مرتب)

کچھ اہل بدعت کے بارے میں

کانپور کے بدعتیوں کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا، وہاں مجھ سے کوئی خفا نہ تھا، سب محبت کرتے تھے اور مالی خدمت بھی کرتے تھے۔ میں قبول کر لیتا تھا، میں نے کانپور کے جن بدعتیوں کا ذکر کیا ہے، وہ ایسے بدعتی تھے، جیسے ایک شخص کا گدھا کھو گیا تھا، وہ اُس کی تلاش میں پھر رہا تھا، ایک شخص سے پوچھا کہ تم نے گدھا تو نہیں دیکھا، اُس نے کہا کہ ایک گدھی تو دیکھی ہے، کہنے لگا کہ وہی ہوگی، اُس نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ گدھا ہے، کہنے لگا کہ ایسا زیادہ گدھا بھی نہیں تھا۔ (صفحہ۱۶)

(اس ملفوظ سے اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ بریلویت اور دیوبندیت میں راہ محبت میں چلنے والے افراد کے درمیاں بنیادی اختلاف نہیں، وہ دراصل توضیح، تشریح وتعبیر کے اختلافات ہیں۔ اللہ ورسول سے عشق ومحبت دونوں میں موجود ہے، شریعت کا احترام دونوں میں موجود ہے، البتہ حاضرناظر، تصرفات ومشاہدات اور بزرگوں کی مثالی صورت کی موجودگی جیسی چیزوں میں جو اختلاف موجود ہے، وہ عوام کو گمراہی سے بچانے کے لئے ہیں، اس لئے کہ عوام میں جہل کی وجہ سے ان چیزوں کا صحیح ادراک نہیں ہوتا، اس لئے وہ جلد ہی بدعات، خرافات اور شرک وغیرہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ دیوبندی بزرگ عوام کو عقیدوں کی گمراہی سے بچانے کی خاطر تصرفات مشاہدات، کشف، باطنی علوم، بزرگوں کی ارواح سے ملاقاتوں جیسی چیزوں کو غیرضروری اور غیراہم سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اس کے انکاری ہرگز نہیں۔ (مرتب)

تہجد کی توفیق کو ظاہر کرنے کی بات

فرمایا، آجکل تو یہ حالت ہورہی ہے کہ ایک صاحب نے جانماز بھیجی کہ اس پر چالیس روز تہجد کی نماز پڑھ دیں۔ میں نے کہلا کر بھیجا کہ پہلے اس بات کی تحقیق تو کر لی ہوتی کہ میں تہجد پڑھتا بھی ہوں اور اگر پڑھتا بھی ہوں تو اس طرح کہ چالیس دن میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہو اور اگر ایسی توفیق حاصل بھی ہو تو کیا اسے ظاہر کروں، بڑی غیرت کی بات ہے۔ (صفحہ۱۸)

ملامتی اور قلندری اصطلاحیں

فرمایا، متقدمین کی اصطلاح میں اعمال کو چھپانے والے کو ملامتی کہتے ہیں۔ اور کم اعمال کرنے والے کو قلندر کہتے ہیں۔ متاخرین نے دونوں اصطلاحیں بدل دی ہیں۔ (صفحہ ۱۹)

دجال کا ہزاروں لاکھوں روپوں میں ظاہر ہوکر ایمان پر ڈاکہ ڈالنا

فرمایا، فرد، دوسروں کی فکر میں کیوں پڑے، اپنی فکر مقدم ہے، اپنے بارے میں ہی کیا خبر ہے کہ انجام کیا ہو، حق تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمادیں، یہ بڑی دولت ہے، بطور ظرافت کے فرمایا کہ لیکن خاتمہ بالخیر میں خیر سے پہلے بل ہے۔ آج کل اس کی ضرورت ہے کہ فرد ایک بل یعنی گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے، اسی میں عافیت ہے، بڑا ہی پُرفتن دور ہے، اس وقت درجات ومقامات تو کیا حاصل ہوتے، ایمان کے لالے پڑ رہے ہیں، ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونے کی ضرورت ہے، ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہنا چاہیۓ، دجال ہزاروں لاکھوں روپ اختیار کرکے دین وایمان پر ڈاکہ مارتے پھر رہے ہیں۔ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا آ کھڑا ہوتا ہے، حق تعالیٰ ہی محافظ اور حافظ ہیں، وہی اپنی رحمت سے دستگیری فرمائینگے۔ (صفحہ۱۹ حصہ نہم)

(دجالی تہذیب کا آغاز دنیا میں مغربی قوموں کے غلبہ سے ہوا، یہ قومیں جہاں بھی مسلط ہوئیں، وہاں مادہ پرستی ونفس پرستی کی وبا پھیلنی شروع ہوئی۔ ہندستاں میں انگریز کے غلبہ کے ساتھ یہاں نئے نئے فتنے جنم لینا شروع ہوگئے، اب یہ دجالی تہذیب اپنے عروج پر ہے، اس کے شر سے لگ بھگ ہر فرد، ہر وقت ایمان کے خطرے سے دوچار ہے، مولانا، اس دجالی تہذیب کی خطرناکیوں کے سلسلہ میں اس وقت آگاہ کر رہے ہیں جب ابھی یہ تہذیب ابتدائی مرحلہ میں تھی، یہ مولانا کی غیرمعمولی فراست تھی۔ مرتب)

موجودہ دور میں اہل اللہ کی صحبت کا فرض عین ہونا

فرمایا، کہ آپ تو مناسب اور غیرمناسب کی بات کرتے ہیں۔ میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں

اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے، جیسے نماز۔ روزہ وغیرہ فرض عین ہیں، اسلئے کہ جو چیز ایمان کی سلامتی کا ذریعہ ہوگی، اُس کے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ آجکل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے، اس تعلق کے بعد بفضلہ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (صفحہ۲۰)

(موجودہ عالمگیر فساد کے دور میں اگر کسی کو فقیر منش، دنیا سے بے نیاز اور صاحب شریعت بزرگ کی مستقل صحبت نصیب ہوجائے تو اسے گویا جملہ سعادتیں حاصل ہوگئیں، اس لئے کہ اس کی صحبتِ مسلسل سے فرد، مادیت اور نفس پرستی کی قوتوں سے بتدریج اوپر اٹھتا جائے گا اور اسلامی شریعت اس کے مزاج کا حصہ بنتی جائے گی۔ ہمارے بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰؒ سے شروعات میں جب کوئی صاحب علم بیعت کے لئے آتا تو آپ ان سے کہتے کہ آپ شہر میں کوئی اچھا سا بزرگ تلاش کریں، ایسا بزرگ مل جائے تو مجھے بھی اس کی اطلاع دیں، تاکہ اس کی صحبت سے فیضیاب ہوا جائے۔ مرتب)

اہل حق کا دبتے چلے جانے کا دور

فرمایا، جی ہاں باطل کی ترقی ہی ہورہی ہے اور اہل حق بیچارے دبتے چلے جارہے ہیں، قلیل بھی ہوتے جارہے ہیں اور ذلیل بھی ہوتے جارہے ہیں قلیل مستضعفون فی الارض کے مصداق ہورہے ہیں، کوئی یارمددگار نہیں سوائے اللہ کی ذات کے۔ لیکن ہوتا کیا ہے، اگر فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کی قوم کو ذلیل وخوار سمجھا، فرعون اور اُس کی قوم قبطی کا جو حشر ہوا، ساری دنیا کو معلوم ہے، ذلیل سمجھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن یہی جلیل ہونگے اور ان کی امداد حق تعالیٰ فرماتے ہیں لِلّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لایعلمون۔ (صفحہ۲۴ جلدنہم)

مبتدی طالب کو سخت پرہیز کی ضرورت

فرمایا، مبتدی کو اس بات کی ضرورت ہے کہ قلب کو جو چیزیں بھی پریشان کرنے والی ہیں، ان سب سے اجتناب کرنے کی کوشش کرے، حاصل یہ ہے کہ

اختیار سے اپنے قلب کو ایسی باتوں میں نہ پھنسائے۔ یہ بات میں نے تجربہ کی بناء پر عرض کی ہے۔ یہ کام کی بات ہے۔ (جسے طالب کو پیش نظر رکھنا چاہئے)۔ (صفحہ۲۵)

معاشرت کو دین کی فہرست سے نکال دینے کی روش

فرمایا، آج کل معاشرت کو تو دین کی فہرست ہی سے نکال دیا گیا ہے، اس کی کوئی اصل ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ احادیث میں معاشرت کی تعلیم کے سلسلہ میں ابواب کے ابواب مدون ہیں، بات یہ ہے کہ کوئی کہنے والا اور کان کھولنے والا ہی نہ تھا، یہ تو مدتوں کے بعد حق تعالیٰ نے اصلاح اور تربیت کا باب کھولا ہے۔ (صفحہ۲۶)

ریاضتوں سے مقصود پاکیزہ اخلاق میں رسوخ حاصل ہونا ہے

فرمایا، ساری کوششوں اور جدوجہد سے حاصل یہ ہے کہ پاکیزہ اخلاق میں رسوخ کامل حاصل ہوجائے اور خراب اخلاق کا اِمالہ ہوجائے، ازالہ مقصود نہیں، اس لئے کہ رذائل بذات خود مذموم نہیں، جیسے مثلاً بُخل ہے، بُغض ہے، شہوت ہے۔ عداوت وغیرہ وغیرہ یہ بذات خود سب محمود ہیں، لیکن حدود سے گذر کر جب ان کا استعمال ہوتا ہے تو اسوقت وہ مذموم ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ۲۷)

شیخ کے کام کی نوعیت

فرمایا، شیخ کے متعلق جو کام ہیں کہ کتاب یا حقیقت بیان کرنا نہیں، یہ تو اُستاد کا کام ہے، باطنی امراض کی تشخیص کرنا، اُس کی تدبیر وتجویز کرنا یہ ہے شیخ کا کام۔ غرضکہ استاد کا کام سنانا اور سمجھانا ہے، اور شیخ کا کام دکھانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ تمہاری منزل مقصود یہ ہے، اس لئے علوم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں جاکر رہنا چاہئے اور جس طرح ظاہری تعلیم میں سات برس یا دس برس صرف کئے ہیں، کم از کم ایک سال تو اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے نکال لیا جائے، مگر اس کام کی طرف مطلق کسی کو توجہ نہیں۔ (صفحہ۲۷)

(شیخ اور روحانی استاد کے کام کی نوعیت یہ ہے کہ طالب کی طرف سے خودسپردگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں اسے باطنی بیماریوں سے آشنا کرکے، باطن کی اصلاح کی راہ پر لگایا جاتا ہے، اس طرح وہ رفتہ رفتہ اپنے علم پر عمل کرنے کی

صلاحیت سے بہرہ ور ہونے لگتا ہے اور تہذیب نفس کے ذریعہ وہ بہتر انسانی اوصاف کا حامل بن جاتا ہے۔ مرتب)

فیض حاصل کرنے کی نیت سے
آنے والے کے لئے شرط

فرمایا، ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ اجازت ہے، خوشی سے تشریف لائیں۔ مگر فیض کے بارے میں یہ ہے کہ نہ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں اور نہ نفی کرتا ہوں۔ مزید فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ فیض حاصل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حاصل نہ ہو مجھے کیا خبر۔ باقی یہاں آنے والوں کے بارے میں میری رائے وہی ہے کہ قیام کے دوران وہ مجلس میں خاموش بیٹھے رہیں۔ مکاتبت۔ مخاطبت وغیرہ نہ کریں، انشاء اللہ اس سے غالب نفع کی امید ہے۔ (صفحہ ۲۸ جلد نہم)

شیطان پر ہزار عابد سے
ایک فقیہ کا بھاری ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیطان کا مکر تو اس درجہ کا نہیں، جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "ان کید الشیطان کان ضعیفا" اہل اللہ اور خاصان حق سے تو شیطان خود ہی ڈرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ شیطان پر ہزار عابد سے ایک فقیہ زیادہ گراں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے مکر وفریب سے خود بھی واقف ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک روز شیطان نے دھوکا دینا چاہا، آپ کو ایک روشنی نظر آئی، آپ نے لاحول پڑھی، وہ روشنی گم ہوگئی اور شیطان یہ کہہ کر بھاگا کہ جا، عبدالقادر تجھے تیرے علم نے بچالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جا، مردود یہ تیرا دوسرا دھوکا ہے کہ مجھے علم نے بچالیا، علم بیچارا کیا چیز ہے، جو بچالے مجھے اللہ نے بچالیا۔ (صفحہ ۲۸)

اللہ سے تعلق کے لئے
محض تمنا کا ہونا کافی نہیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بندہ کے لئے حضرت حق تعالیٰ کی خشیت زیادہ نافع ہے یا محبت، فرمایا، اس کا کوئی حکم کلی نہیں، کسی کے لئے محبت نافع ہے اور کسی کے لئے خوف۔ کسی کے لئے شوق، ہر شخص کا خدا تعالیٰ کے ساتھ جدا معاملہ ہے، باقی اکثر کے لئے جو چیز زیادہ نافع ہے، وہ یہ ہے کہ فرد اس کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں، یعنی اپنی محبوبیت کا مراقبہ۔ زیادہ نافع ہے، باقی سب کو کچھ نہ کچھ چیزوں کی ضرورت ہے، کوئی بھی ایک چیز سب کے لئے کافی نہیں، جیسے کھانا پکانے کے لئے آگ کی بھی ضرورت ہے۔ پانی کی بھی ضرورت ہے، ایسے ہی محبت اور خوف دونوں کی ضرورت ہے، غلبہ میں تفصیل ہے، ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، حق تعالیٰ سے تو ہر ایمان والا تعلق رکھنا چاہتا ہے تو محبت عام ہوئی۔ فرمایا کہ چاہنے کے دو ترجمہ ہیں، ایک تمنا اور ایک ارادہ، اگر محض تمنا ہے تو اس کے معنی تو صرف جی چاہنے کے ہوئے اور مطلق جی چاہنا کام نہیں آسکتا اور ایک یہ کہ جی چاہنے کے ساتھ ساتھ اُس مقصود کے اسباب شروع کردیئے گئے، اس کو ارادہ کہتے ہیں۔ اصل چیز یہی ہے اور یہی مطلوبہ محبت ہے اور آج کل اکثر افراد میں محض تمنا ہی تمنا ہے، راہ سلوک میں تمنا کافی نہیں، بعض بدبخت افراد تو اس تمنا سے بھی محروم ہیں، جب کہ تمنا والے محبت سے قریب ہیں۔ (صفحہ ۲۹ جلد نہم)

(مادہ پرستی کی موجودہ عالمگیر فضا نے محبوب حقیقی سے محبت کی طلب کو بڑی حد تک سلب کر دیا ہے۔ دنیا کی ہر چیز کی فکر موجود ہے، اس کے لئے جدوجہد بھی ہے، لیکن اگر فکر اور طلب نہیں تو وہ اللہ کی محبت کی طلب ہے، محبوب حقیقی سے محبت کے اس فقدان کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں نفسانیت، سنگ دلی، قساوت قلبی اور حب دنیا کا مرض تیزی سے بڑھتا جارہا ہے، محبت ورواداری کی فضا ختم ہوتی جارہی ہے۔ مرتب)

ارادہ میں استقامت کے لئے مراقبات کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے چاہنے کے دو ترجمہ فرمائے

ایک تمنا اور دوسرے ارادہ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا، ارادہ سے کام چلتا ہے تو ارادہ کس طرح کیا جائے۔ فرمایا، ارادہ اختیاری فعل ہے، جیسے اُس کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے، کرکے دیکھئے اور کیجئے۔ عرض کیا کہ ارادہ کے سہل ہونے کی کیا صورت ہے۔ فرمایا کہ یہ مراقبات سے سہل ہوجاتا ہے۔ عرض کیا کہ کس چیز کا مراقبہ۔ فرمایا کہ مختلف طبائع کے لئے مختلف مراقبات ہیں۔ بعض کو حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بعض کو اس چیز کا مراقبہ کہ ہم نیک کام کریں گے تو وہ خوش ہونگے۔ بعض کو رحمت کا مراقبہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اب اس کے لئے ضرورت ہے کہ کوئی اس کے سر پر ہو، جو اس کی حالت کے مطابق اس کو تعلیم کرے، اس کے بغیر محض اپنی رائے سے مراقبہ تجویز کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو   بے قلاوز اندرین صحرا مرو

محض تعلق سے کام نہ ہونا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بغیر عمل کے محض مطلق تعلق رکھنا کیا کام دے سکتا ہے، اس تعلق کی مثال بالکل ایسی ہوگی کہ فرد نکاح تو کرلے اور اولاد کی تمنا بھی ہو، لیکن مباشرت کا نام نہ لے تو اولاد ہو چکی۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جائے۔ (صفحہ ۳۰)

(اس ملفوظ سے مقصود یہ ہے کہ شیخ سے محض رسمی تعلق رکھنا اور صحبت کا انتظام واہتمام نہ کرنا کسی خاص افادیت کا حامل نہیں۔ فرد میں نئی زندگی کی تخلیق تو تب ہوگی، جب شیخ کی صحبت کا عمل اختیار کرے گا۔ رسمی بیعت یا رسمی نوعیت کا تعلق زندگی کو بدل کر، پاکیزہ صورت دے سکے، ممکن نہیں۔ مرتب)

ہر محبت مذموم نہیں ہوتی

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا، مخلوق کی ہر محبت مذموم نہیں، مثلاً جب بھوک ہوتی ہے تو کیا اس وقت کھانے سے محبت نہیں ہوتی، پیاس ہوتی ہے تو کیا اس وقت پانی سے محبت نہیں ہوتی تو کیا یہ مذموم ہے، زہد یہ نہیں

ہے کہ ان چیزوں کی رغبت ہی نہ ہو، بلکہ زہد یہ ہے کہ رغبت کے باوجود فرد حد سے نہ نکلے، یہی مجاہدہ ہے، جس پر اجر کا وعدہ ہے، غرض زہد وہ ہے، جس میں جھد ہو، ورنہ دیوار ہے جو مستحق اجر نہیں۔ دیکھئے، حضرت عمر فاروقؓ نے اموال غنیمت دیکھ کر یہ آیت پڑھی زین للناس حب الشھوات الخ اور عرض کیا کہ اے اللہ، آپ نے ان چیزوں کی رغبت پیدا کی ہے، ہم اس کا ازالہ نہیں چاہتے، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی رغبت اور محبت آپ کی محبت کا سبب ہوجائے، اس میں حضرت عمرؓ نے زین کا فاعل حق تعالیٰ کو قرار دیا اور دعا کی کہ ان چیزون کو آخرت کا ذریعہ بنادیجئے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است   کہ ازو حمام تقوے روشن است

انسان میں شہوت وغضب کا جو مادہ پایا جاتا ہے، وہی تو فرد کے لئے تقویٰ اور باعث قرب اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے، لوگ ان خواہشات کو اجر کے کم ہونے کا سبب سمجھتے ہیں، حالانکہ افراد کے لئے اجر کا سبب یہی چیزیں ہیں، کیونکہ ان کی بدولت تو مجاہدہ کی ضرورت لاحق ہے، جو اجر کی روح ہے، اسی طرح ایک دوسری غلطی ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کے بعد اجر نہ ہوگا، کیونکہ مجاہدہ تو نہ رہا، جو روح تھی، اجر کی، اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدہ اصلاح کے لئے کیا گیا تھا، اُس کا اثر حکماً آخر تک باقی رہے گا۔ (صفحہ۳۱ حصہ نہم)

راہ سلوک کا جذب کے ساتھ طے ہونا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا، کہ جذب کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے، جذب کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شیطان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ محض سالک تھا، اس میں جذب نہ تھا، اس لئے گمراہ ہوا۔ جذب کی قدر کرنی چاہئے اور جذب کے پیدا ہونے کا جو ذریعہ ہے، اس کی بھی قدر اور احترام کرنا چاہئے اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے، اُن کی صحبت کی برکت سے جذب حق پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا

که اصل وصول جذب ہی سے ہوتا ہے اور ایسا واصل پھر راجع نہیں ہوتا۔ مولانا نے عجیب مثال لکھی ہی کہ جیسے بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا۔ (صفحہ۳۱)

(جذب سے مراد اللہ کی طرف کشش ہے، اور فرد کا محبوب کی طرف ذوق وشوق سے رواں دواں ہونا ہے اور ذکر وفکر کے لئے طبیعت کی آمادگی ہے۔ جذب کی یہ حالت کسی اہل اللہ کا دامن پکڑنے اور ان کی صحبت اختیار کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اس سے طالب پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ وہ محبوب حقیقی کے ساتھ محبت کے کس لازوال رشتہ میں منسلک ہے۔ مرتب)

عقلمندوں کو دعویٰ کی وجہ سے
افلاس میں مبتلا کرنے کی سزا اور اس سزا سے بچاؤ کی صورت

فرمایا، یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مقامات ایسے ہیں، جہاں کے اکثر لوگ بے وقوف ہوتے ہیں اور بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں کے اکثر لوگ عاقل ہوتے ہیں، مگر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس مقام کے لوگ بے وقوف ہیں، وہاں خوشحالی زیادہ ہے، یعنی وہ لوگ اگرچہ بے وقوف ہیں، مگر خوب کھاتے پیتے ہیں۔ اور جہاں کے لوگ عاقل ہوتے ہیں، وہاں اکثر افلاس دیکھا گیا ہے، اگرچہ حقیقت میں فی نفسہ یہ افلاس عقل کا اثر نہیں، مگر ایک خرابی کی وجہ سے ایک صورت ایسی بھی ہوسکتی ہے کہ اُس صورت میں خود عقل سبب بن جائے، نحوست اور افلاس کا، وہ صورت یہ ہے کہ ممکن ہے اُن عقلاء کے اندر ایک دعویٰ کی صورت پیدا ہوگئی ہو کہ وہ اپنے کو عقلمند سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے ہوں۔ لہٰذا ان کو اس تکبر کی یہ سزا دی گئی ہو کہ ان کو مفلس کر دیا گیا ہو۔ اب رہی یہ بات کہ پھر اس تکبر اور دعویٰ کے مرض کا علاج کیا ہے اور وہ کیا تدبیر ہے کہ کمال کے حصول کے بعد بھی دعویٰ پیدا نہ ہو تو اس کا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بزرگوں کی یعنی (اولیاء اللہ کی (جوتیاں) سیدھی کی جائیں اور ان کی صحبت میں رہا جائے تو اس کے بعد حالت یہ ہوجاتی ہے کہ فرد وافراد میں کمال تو بڑھتا جاتا ہے، مگر دعویٰ گھٹتا جاتا ہے۔ اور بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے دعویٰ کے فنا ہوجانے کا سبب یہ ہے کہ اُن کی صحبت کی برکت

سے اُس شخص کی نظر کمال کی حقیقت تک یعنی کمال کے انتہائی درجہ پر پھونچ جاتی ہے تو چونکہ اُس کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ دوسروں سے اپنی حالت کا موازنہ کرے، وہ اصل حقیقت سے اپنی حالت کا موازنہ کرتا ہے، اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ حقیقت کے مقابلہ میں میری حالت بالکل ہیچ ہے، لہٰذا وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنے کی بجائے ناقص اور ہیچ در ہیچ سمجھنے لگتا ہے، مثلا ایسے شخص کی نظر عقل کی حقیقت پر ہوتی ہے تو وہ جب اس حقیقت سے اپنی عقل کا موازنہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ عقل کی جو حقیقت ہے، اس کے مقابلہ میں میری عقل کچھ بھی نہیں، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ اپنی عقل کا مدعی ہو، اپنی عقل کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے،اسی طرح اس شخص کی نظر علم کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ تو علم کی جو حقیقت ہے، اُس سے جب وہ اپنے علم کا موازنہ کرتا ہے تو وہ اپنے علم کو نہ ہونے کے برابر پاتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے علم کا مدعی ہو، اپنے علم کو کالعدم سمجھنے لگتا ہے، اگرچہ حقیقت میں اس کو علم وفضل کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوتا ہے، دوسرے لوگ اُس کے فضل وکمال کے معتقد بھی ہوتے ہیں، مگر اس شخص کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ ظاہر ہے کہ کتنے بڑے شخص تھے کہ علماء وفضلاء تک اُن کے کمال کے معتقد ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ساری عمر کے پڑھنے پڑھانے سے علم تو حاصل نہیں ہوا، مگر یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اپنے جہل یعنی لاعلمی کا علم ہوگیا۔ (صفحہ۳۲-۳۳)

دنیوی نقصان سے رنجیدہ ہونا
کمال کے منافی نہیں

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ جب میرا کوئی دنیوی نقصان ہوجاتا ہے تو اس نقصان کی وجہ سے میرے دل میں ایک فکر سی پیدا ہوجاتی ہے اور اس سے قلق اور صدمہ ہوتا ہے کہ دنیا کے نقصان کی وجہ سے فکر کیوں ہوئی، لہٰذا احقر کی اس حالت کا علاج فرمایا جائے، تاکہ یہ بات دفع ہوجائے۔ اور مجھے دنیا کے نقصان سے کچھ رنج نہ ہوا کرے۔ میں نے اُن کو جواب لکھا ہے کہ دنیا کے نقصان سے جو فکر

ہوجاتی ہے، اس فکر کا دفع ہونا کمال نہیں، بلکہ اُس فکر کے باقی رہتے ہوئے صبر ورضا سے کام لینا کمال ہے، لہٰذا صرف اس کا خیال رکھو کہ کوئی بات صبر ورضاء کے خلاف نہ ہو۔ باقی اس کی فکر میں نہ پڑو کہ دنیوی نقصان سے رنج کیوں ہوتا ہے۔ اُس کی مصلحت مذکور ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۳۴)

اہلیہ کے انتقال سے قلب پر گرانی کا پیدا ہونا، رضا بالقضا کی منافی نہیں

فرمایا، ایک صاحب کا خط آیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، اُس کی موت کے صدمہ سے میرے قلب پر ایک قسم کی گرانی رہنے لگی ہے تو میری یہ حالت رضا بالقضاء کے خلاف تو نہیں، اگر رضا بالقضاء کے خلاف ہو تو براہ کرام اس کا علاج فرمایا جائے۔ میں نے اس کا جواب لکھا ہے کہ تمہاری یہ حالت ہرگز رضا بالقضاء کے خلاف نہیں، اب رہی یہ بات کہ پھر اُس کی موت سے قلب پر یہ گرانی کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گرانی ضبط سے پیدا ہوئی ہے (یہ قرائن سے معلوم ہوگیا تھا) یعنی اُس کی موت سے تمہیں جو صدمہ پہنچا، تم نے اس صدمہ کو ضبط کیا، اس کا اظہار نہیں کیا، اس وجہ سے یہ گرانی پیدا ہوئی، جو ایک امر طبعی ہے اور جو چیز طبعی ہوتی ہے، اس میں انسان معذور ہوتا ہے۔

اس کے بعد پھر ان صاحب کا خط آیا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب وہ گرانی نہ رہی۔
پھر حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ، اگر کسی اور جگہ یہ صاحب اپنی اس گرانی کی اطلاع کرتے تو جو جواب میں نے دیا ہے، کسی جگہ سے یہ جواب نہ جاتا، بلکہ ہر شخص ان کی اس حالت کو رضا بالقضاء کے خلاف سمجھ کر، اس حالت کے دفع کے لئے اُن کے پاس وظیفوں کی ایک فہرست لکھ کر بھیج دیتا، جس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ یہ شخص مجموعۃ الاوراد بن جاتا اور یہ گرانی اس کی پھر بھی باقی رہتی اور یہ ساری خرابی اس طالب کی حالت کی حقیقت نہ سمجھنے سے ہوتی۔ میں بفضلہٖ تعالیٰ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ ایک صالح شخص ہیں، اس واقعہ پر ضبط سے کام لیا ہوگا، اسی وجہ سے اُن کے قلب پر یہ گرانی ہوگئی ہے، جو نہ رضا بالقضا کے خلاف ہے اور نہ مذموم ہے،

کیونکہ یہ ایک طبعی اور غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری معاملات، یہ رضا بالقضا کے خلاف نہیں ہو سکتے، کیونکہ جو امور رضا بالقضاء کے خلاف ہیں، وہ منہی عنہ ہیں اور امر ونہی کا تعلق صرف اختیاری معاملات ہی ہوتا ہے، نہ کہ غیر اختیاری ہے۔ (صفحہ ۳۵)

دعوت کے کام کا حکیمانہ ہونا

فرمایا، تبلیغ کا کام بھی ایک حکیمانہ کام ہے، ہر شخص اسے انجام نہیں دے سکتا۔ اس میں بڑے عقل اور فہم کی ضرورت ہے کہ کس موقعہ پر کیا اور کس عنوان سے بات کہنا چاہئے۔ ایک صاحب سرکاری عہدہ دار ہیں، وہ اکثر میرے پاس آتے جاتے تھے، سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے، میں نے اُن کو کبھی نہیں ٹوکا، ایک روز اُنہوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی، اُس روز مجھے خیال ہوا کہ آج مجھے حق حاصل ہے، اُن کو اس پر مطلع کرنے کا، میں نے بیعت کرلیا۔ بیعت کے بعد ارادہ ہی تھا کہ انگوٹھی کے متعلق ان سے کہوں، مگر اُنہوں نے بیعت ہوتے ہی انگوٹھی اُتار کر مجھے دی کہ اس کو کسی مناسب مصرف میں صرف کردیا جائے۔ میں نے کہا کہ اگر اس کو اپنے گھر والوں کو دیدیں تو کوئی حرج نہیں، آپ کو تو پہننا جائز نہیں، مگر گھر کی عورتیں پہن سکتی ہیں، کہا کہ نہیں، بہت دنوں تک معصیت میں مبتلا رہا، اب اس کا کفارہ یہی ہے، دیکھئے، فرد کے قلب کی حالت کی کسی کو کیا خبر، کیسا خالص عمل کیا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ایسے لوگوں سے اپنا تعلق ہو کہ جن کی رگ وپے میں دین کی عظمت اور محبت موجود ہو، اگرچہ ظاہر میں اس کا گمان نہ ہو، اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ کوئی کسی کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھے، نہ معلوم خدا کے ساتھ اُس کا تعلق اور معاملہ کیا ہے، اس لئے عاصی سے نفرت نہ ہونا چاہئے، البتہ معاصی یعنی گناہوں سے نفرت ہونا چاہئے۔ بعض اوقات ایک سکنڈ اور ایک منٹ میں کایا پلٹ ہوجاتی ہے۔ صد سالہ کافر اور بُت پرست پلک جھپکنے میں مومن صادق اور مومن کامل ہوجاتا ہے۔ (صفحہ ۶۵ جلد ہفتم)

مولانا احمد رضا خان صاحب کے ایک مرید کا خط
اور اس کا جواب

فرمایا، پچھلے دنوں ایک خط احمد رضا خان صاحب کے ایک مرید کا آیا تھا، جس میں لکھا تھا کہ میں پچیس سال سے مولوی احمد رضا خان صاحب سے مُرید تھا، اب اُن عقائد باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت سے بیعت کی درخواست کرتا ہوں، لکھا تھا کہ اس وقت میری عمر تقریباً پینسٹھ سال ہے، اس لئے جلد از جلد مرید ہونا چاہتا ہوں، مضمون میں اور بھی باتیں شامل تھیں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ جلدی مناسب نہیں۔ آج اُن کا پھر خط آیا ہے، لکھا ہے کہ تعجیل کی حد بتادی جائے، تاکہ میں اس وقت تک کچھ نہ بولوں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ میرے چالیس وعظ اور رسائل دیکھ لو اور بیس مرتبہ خط وکتابت کرلو اور دس بار ملاقات کرلو۔ بس یہی حد ہے۔ فرمایا کہ اگر خلوص اور محبت سے اُن کا اس طرف رجوع ہونے کا ارادہ ہوا ہے تو ان شرائط کو پورا کریں گے، یہ سب باتیں تجربہ کے بعد معلوم ہوئی ہیں۔ (صفحہ ۷۵)

آج کل کے بزرگوں میں امتیازی شان کا ہونا

فرمایا، آج کل کے لوگ طرح طرح کے ڈھونگ بناتے ہیں، امتیازی شان کا اہتمام رکھتے ہیں، لیکن کیا کریں، وہ ہماری نظروں میں نہیں سماتے، سچ تو یہ ہے کہ ہمیں تو ہمارے بزرگ بگاڑ گئے، کس طرح کی سادہ زندگی گذار گئے، بس اُن کا جو رنگ ڈھنگ دیکھا، وہی پسند ہے، آج کل کے ڈھونگ اور بناوٹیں ہمیں پسند نہیں۔ ہمارے بزرگوں میں ایک خاص بات یہ تھی کہ خودداری کا نام ونشان نہ تھا، وہ ملتے جلتے ہنستے بولتے رہتے تھے، مگر ان کے دلوں میں ایک انگارا دہک رہا تھا۔ (صفحہ ۱۱۱)

(احقر عرض کرتا ہے کہ آج کل تصوف کے نام پر بعض صحیح بزرگوں کے ہاں بھی عام طور پر شان وشوکت، امتیازی شان اور مریدوں سے الگ تھلگ رہنے کا مزاج غالب ہے، وزیروں سے ملنا آسان ہے، ان سے ملنا دشوار ہے۔ یہ بزرگوں کے طریقہ کے منافی روش ہے، تصوف میں خلافت عطا ہونے کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ عاشق، اب دوسرے افراد کی تربیت اور دین کی خدمت کے کاموں میں

مصروف ہوجائے، اب اس کی روحانیت کی بیشتر ترقی، طالبوں کی تربیت اور لوگوں کی خدمت سے ہوگی، بزرگوں کے اس طریقہ سے ہٹ کر، مریدوں سے غلامی کے آداب بجالانا اور مالداروں سے رابطہ مستحکم کرنا یہ سم قاتل ہے۔ مرتب)

پڑھے لکھے لوگوں کا اگر مگر کے چکر میں رہنا

فرمایا، خیال اور عقیدہ کو اثر میں بڑا عمل دخل حاصل ہے اور ان بے لکھے پڑھوں کا جو بھی عقیدہ ہوتا ہے، وہ راسخ ہوتا ہے اور یہ پڑھے لکھے اکثر اگر مگر کے چکر میں رہتے ہیں، ایک دیہاتی شخص کا عدالت میں مقدمہ تھا، وہ ایک بزرگ سے مقدمہ کیلئے تعویذ لایا تھا، حاکم، نیچرل عقیدہ کا فرد تھا، جس وقت آواز دی گئی کہ گاؤں والا پیش ہو۔ کورٹ میں پہونچ کر اس کو خیال ہوا کہ حاکم کے نرم ہونے کے لئے جو تعویذ لایا تھا، اس وقت ساتھ نہیں ہے، وہ باہر بھول آیا ہوں، دیہاتیوں میں اکثر سادگی ہوتی ہے، اگرچہ اب تو گاؤں والوں میں بھی یہ بات نہیں رہی، غرض حاکم سے کہتا ہے کہ میں مقدمہ کیلئے دیوبند والے حاجی صاحب سے تعویذ لایا تھا، وہ باہر بھول آیا ہوں۔ ذرا ٹھیر جائیں، تعویذ لے آؤں، اُس نے اپنے نیچری خیال کے موافق کہا کہ جا، لے آ، دیکھیں تعویذ کیا کرے گا، وہ باہر گیا اور اپنے ساتھی سے تعویذ لے آیا اور حاکم سے کہا کہ تعویذ لایا ہوں اور یہ میری پگڑی میں ہے، اب پوچھ، کیا پوچھتا ہے، حاکم کی نیت سزا دینے کی تھی، مگر حق تعالیٰ کی قدرت کہ بروقت سزا کا فیصلہ لکھنا چاہتا ہے اور لکھا جاتا ہے بری۔ اپنے خیال کے موافق جب وہ فیصلہ سناتا ہے تو وہ بری کا فیصلہ تھا، حاکم حیران رہ گیا اور اُن بزرگ کے پاس آکر توبہ کی۔ واقعی اسماء الٰہیہ کا اثر اور اس کی برکت کہاں جاسکتی ہے، مگر خلوص کی ضرورت ہے، غرض کہ عملیات میں اثر ہے، دو چیزوں کا عمل ہوتا ہے، ایک عمل کا دوسرے خیال کا اور اس میں کوئی بعد نہیں۔ ایک یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ کلام الٰہی اگرچہ اس کام کیلئے مناسب نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس کے لئے استعمال کرے تو برکت ضرور ہوتی ہے، جیسے اگرچہ قلم لکھنے کیلئے ہوتا ہے، لیکن اگر اُس سے کوئی کان کا میل نکال لے تو قلم اس میں بھی کام آجاتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۵ جلد ہفتم)

بیماری سے شفایابی کے لئے وظیفہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میری بیوی ایک عرصہ سے بیمار ہے۔ حکیم صاحب سے علاج کرایا، لیکن کوئی نفع نہیں ہوا، حضرت دعا فرمائیں اور کوئی عمل بتادیں، فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں مگر عامل نہیں ہوں۔ ہاں، بزرگوں سے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اکتالیس بار الحمد شریف پڑھ کر پانی پر دم کر کے مریض کو پلا دیا جائے تو نفع کی امید ہے۔ (صفحہ۱۱۵)

کام کے اوقات کو باتوں میں صرف کرنا گناہ ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، میں ایک جگہ مدرس ہوں۔ بعض لوگ تعلیم کے وقت پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں، اُن سے باتیں کرنے میں طلبہ کا جو حرج ہوتا ہے، کیا یہ خیانت ہوگی۔ فرمایا بیشک خیانت ہے۔ اُن لوگوں کو منع کردینا چاہئے کہ یہ کام کا وقت ہے۔ عرض کیا، اس وقت تک جو ہو چکا یا آیندہ اتفاقاً اگر ایسا پھر ہوجائے تو کیا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے۔ فرمایا، سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں۔ عرض کیا کہ فارغ اوقات میں کام کیا جائے۔ فرمایا کہ یہ بھی اُس کا بدل نہیں۔ فرضوں کے قائم مقام نفلیں تھوڑا ہوسکتی ہیں۔ کام کے وقت کام کرنا چاہئے اور لوگوں کو منع کردینا چاہئے۔ (صفحہ۱۱۵)

عورتوں کی عقیدت میں صاحب رائے نہ ہونا اور نرم دلی کی وصف کا ہونا

فرمایا، عورتوں میں مردوں کے مقابلہ میں عقیدت زیادہ ہوتی ہے، اس کا سبب کہ ایک تو ان کا دل نرم ہوتا ہے۔ دوسرے وہ صاحب الرائے نہیں ہوتیں۔ (صفحہ۱۱۵)

معذوری کی حالت میں معمولات کی کمی، کمی نہیں بلکہ کامل حالت ہے

فرمایا، تصوف کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے لوگ غلطیوں میں مبتلا ہیں، ایک صاحب نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا، بیچارے مریض ہیں۔ میں نے بحمداللہ ان کی تسلی کردی، بہت خوش ہوئے۔ میرے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اگر مرض کی

حالت کے وقت ذکر وتوجہ میں کمی واقع ہوجائے تو اُس وقت جس قدر بھی ذکر وعبادت ہوسکے، وہی کامل عبادت ہے، اس بات کو سمجھ لیا جائے کہ جیسے مرض کی وجہ سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اُس کی وہی نماز جو بیٹھ کر پڑھی ہے، وہی کامل ہے۔ یا جیسے ایک شخص مرض کی وجہ سے وضو نہیں کرسکتا، تیمم کرتا ہے، اُس کی وہی طہارت کامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جتنا اس وقت کرسکتا ہے، وہی کامل ہے، ناقص نہیں، تو پھر ہمیں اس تفاوت کے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک شخص ہے وہ ایک شخص کو ایک روپیہ کی سیر مٹھائی دیتا ہے اور ایک کو آٹھ آنہ سیر دیتا ہے تو آٹھ نہ والے کو کیا ضرورت ہے کہ یہ اس پر افسوس کرے کہ مجھ سے کم رقم لی، بلکہ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تھوڑی رقم لی اور زیادہ دیا اور بظاہر جو کمی ہے، وہ کمی حسی طور پر ہے، غرض بندہ کو ہرحال میں خدا کیساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے۔ (صفحہ۱۱۶)

(بیماری اور معذوری کی حالت بندہ کے لئے بباطن خود ایک رحمت کی صورت ہوتی ہے، بیماری میں ذکر وفکر اور عبادت میں کمی بظاہر کمی ہے، لیکن عملاً کمی نہیں، اس لئے کہ ایک تو بندہ کا ارادہ وحوصلہ اور نیت تو یہی ہوتی ہے کہ کمی نہ آنے دے، لیکن عذر کی وجہ سے وہ مجبور محض ہے، دوسرے یہ کہ اس کمی کے وجہ سے وہ محبوب حقیقی کے سامنے انتہائی بے بسی کی تصویر بن جاتا ہے، محبوب کو بندہ کی دلشکستگی اور سراپا آہ وزاری کی یہ ادا بہت پسند ہے، بیماری اور معذوری میں اس طرح کے بہت سارے فوائد اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، بندہ پر اپنی حقیقت واصلیت کا راز بھی بیماری اور بے بسی کے وقت ہی کھلتا ہے۔ مرتب)

عورتوں کی قدردانی کی ضرورت

فرمایا، میرے حیدرآباد والے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ دو چیزیں خاص طور پر قابل رحم اور قابل خیال ہیں۔ ایک عورت اور دوسری مسجد، ان دونوں میں ایک چیز مشترک ہے کہ کوئی شخص ان دونوں کا اپنے آپ کو ذمہ دار نہیں سمجھتا، اسلئے

ان کے حقوق بہت ہی کم ادا کیے جاتے ہیں، حالانکہ اگر عورتیں خاوندوں کو تنگ کرنا چاہیں تو خاوند کچھ نہیں کر سکتے اور جو عورتیں خاوندوں کے قابو میں ہیں اور ان کو پریشان نہیں کرتیں، وہ مردوں کا کمال نہیں، بلکہ عورتوں کا کمال ہے، اگر خدانخواستہ عورتیں بگڑ جائیں تو خاوند اُن کا کچھ نہیں کر سکتے۔ مردوں کی ساری اکڑفوں اس وقت تک ہے، جب تک عورت کچھ نہیں بولتی۔ (صفحہ ۱۲۳)

اسم اعظم کے طالب کا امتحان

فرمایا، ایک شخص ایک بزرگ سے اسم اعظم معلوم کرنا چاہتا تھا، اُن بزرگ کو معلوم ہوا کہ اس میں ضبط کا مادہ نہیں، معلوم نہیں کس کس کو سکھائے گا، اس لئے یہ اس کا اہل نہیں، عرض کیا کہ حضرت، کبھی حکم کے خلاف نہ کرونگا، یہ لوگ بڑے ظرف ہوتے ہیں۔ فرمایا، اچھا ٹھیرو، یہ ٹھیر گیا، دوچار روز کے بعد اسے دو پلیٹ بند دیں اور فرمایا کہ فلاں مسجد میں ایک بزرگ رہتے ہیں، یہ ان کو یہ پھونچا کر آؤ، مگر راستہ میں کھول کر نہ دیکھنا۔ یہ شخص لیکر چلا، اب راستہ میں اس پر کشمکش کا غلبہ ہوا کہ معلوم نہیں اس میں کیا ہے۔ اگر شیخ یہ نہ فرماتے کہ کھول کر نہ دیکھنا تو شاید اس قدر ہیجان پیدا نہ ہوتا، مگر ان کا کہدینا غضب ہوگیا۔ سوچتا ہے کہ اس میں ایسی کیا چیز ہے جس کے دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔ پھر خیال کیا کہ شاید کوئی کھانے کی چیز ہو۔ اور شیخ نے اسلئے منع کیا ہو کہ کہیں اس میں سے کھانہ لے، اس لئے کھول کر دیکھنا چاہئے، بس جیسے ہی اوپر کی پلیٹ کو اُٹھایا، اُس میں سے ایک چوہا کود کر بھاگ گیا، اب یہ سخت پریشان کہ چوہا ایسی چیز ہے کہ آسانی سے ہاتھ نہیں آسکتا۔ غرضکہ خالی پلیٹ لیکر اُن مرسل الیہ بزرگ کی خدمت میں پھونچا اور اس کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تم نے کوئی درخواست کی ہوگی، شیخ نے تیرا امتحان کیا ہے۔ یہ شخص نہایت شرمندگی کیساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے فرمایا کہ بس اب تو تم درخواست نہ کروگے، جب تم معمولی چیز کی حفاظت نہیں کرسکتے تو تم سے اس امانت کی حفاظت کی کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ (صفحہ ۱۳۲)

کسی بزرگ سے مناسبت کا نہ ہونا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر ایک شیخ سے مناسبت نہ ہو تو دوسرے سے تعلق پیدا کیا جائے، اگر وہاں بھی نہ ہو، تیسرے سے تعلق قائم کیا جائے، اگر کسی سے بھی نہ ہو تو سب کو چھوڑ دے۔

قرآن ہے۔ حدیث ہے، فقہ ہے۔ ان پر خلوص سے عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور ہدایت واستقامت کی دعا کرتا رہے۔ بس کافی ہے۔ خدانخواستہ کاملین میں یہ احتمال تھورا ہی ہے کہ جس شخص کو ان سے انقباض ہو، اُس کے دوزخ میں جانے کی تمنا کریں، پھر آخرت میں تو یہ انقباض بھی باقی نہ رہے گا "ونزعنا ما فی صدورھم من غل تجری من تحتھم الانھار" ایک صاحب تھے اُن کو کسی بزرگ سے مناسبت ہی نہ تھی، بلکہ اُن میں اعتراض کا مادہ بھی تھا اور اُنہوں نے اپنی کج فہمی سے تصوف کا خلاصہ یہ نکالا تھا کہ بس پیر پرستی کرو، ان کی یہ خودرائی خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کا دماغ خراب ہے، میں نے خدا کے فضل سے اور اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی برکت سے طریق کی حقیقت کو واضح کردیا ہے، دوسرے مسائل کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ صحیح اصولوں کا اتباع تم بھی کرو، شیخ بھی کرے۔ اصول صحیح سے مراد شرعی اصول اور شرعی مسائل ہیں۔ پیر پرستی اور شیخ پرستی تو مخلوق پرستی ہے۔ اس کو چھوڑو، خدا پرستی اختیار کرو اور میں نعوذ باللہ مخلوق پرستی کو تو کیا گوارا کرتا، آنے والوں سے خدمت لینے تک کو پسند نہیں کرتا۔ (صفحہ ۱۳۳)

(اس ملفوظ میں حضرت مولانا تھانویؒ نے اس شخص کی اصلاح کی صورت بھی نکال دی، جس کی تصوف واہل تصوف سے مزاجی مناسبت پیدا نہیں ہوپاتی، ایسا شخص اگر قرآن وسنت سے گہرا تعلق پیدا کرے اور مسلسل خود احتسابی سے کام لیتا رہے اور اپنے ایک ایک باطنی مرض کا باریک بینی سے علاج کرتا رہے تو ان شاء اللہ اصلاح کی صورت نکل سکتی ہے۔ مرتب)

شیخ کے ہوتے ہوئے دوسروں کی تعلیم پر متوجہ ہونا مضر ہے

فرمایا، طالب، شیخ کی تعلیم پر ذرا چوں وچرانہ کرے، ورنہ محروم رہے گا، شیخ جو

مناسب سمجھتا ہے، تعلیم کرتا ہے، جیسے طبیب حاذق، جو مناسب سمجھتا ہے، بیماری کی تشخیص کے بعد تجویز کرتا ہے، ہاں طالب کو اس کا بیشک حق حاصل ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے، مگر اسے یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی تجویز میں چوں وچرا کرے یا دخل دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضورﷺ نے توریت میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں فرمائی تھی اور فرمایا کہ میں ایسی شریعت لایا ہوں کہ اس کے سامنے کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہیں، حالانکہ حضرت عمرؓ کا حضور کے سامنے توریت پڑھنے سے یہ مطلب تھا کہ سامنے پیش کردوں گا تو اصل معلوم ہوجائے گا، مگر پھر بھی اجازت نہیں دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کے غلام ہیں، مگر کرینگے وہی جو حضور حکم فرمائیں، دوسری طرف بلاضرورت توجہ بھی نہ کرینگے، جیسے ایک شخص کا کوئی غلام ہے تو وہ غلام اس شخص کے بھائی کا حکم تھوڑا مانے گا، حکم تو اسی کا مانے گا، جس کا غلام ہے۔ البتہ بھائی ہونے کے دوسرے حقوق ہیں وہ ادا کریگا۔ اسی طرح شیخ کی تعلیم کے ہوتے ہوئے دوسری تعلیم کی طرف توجہ مضر ہے، ہاں تعظیم وادب واعتقاد سب شیوخ کا ضروری ہے۔ (صفحہ ۱۳۳)

(روحانی استاد، طالب کے مزاج کی مناسبت سے اس کی تربیت کرتا ہے، طالب جو گہرے روحانی وباطنی امراض کی نوعیت وسنگینی سے ناآشنا ہے، وہ اگر شیخ کی تدابیر وطریقہ علاج پر شکوک وشبہات کرے گا، تو اس کی اصلاح کی صورت مسدود ہوجائے گی۔ مرتب)

اوقات بعض دین کے کاموں میں نفسیات کا شامل ہونا

فرمایا، بعض باتیں صورۃ تو دین ہوتی ہیں، مگر حقیقت میں دین نہیں ہوتیں، فرد، نفسانیت سے اُن کو دین سمجھ بیٹھتا ہے۔ میرے متعلقین میں ایک مولوی صاحب تھے۔ ان کو اس مسئلہ میں عملاً غلو ہوگیا تھا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ مسئلہ تو احناف کے مسلک کے موافق صحیح ہے۔ جو علماء اُن کے خلاف تھے، ان کی مخالفت کیلئے انہوں نے ایک فتوی مرتب کرکے، اُس پر ہندوستان کے مشاہیر علماء کے جن کو وہ جانتے تھے، دستخط کرائے۔ جہاں جاتے، اُس فتوی کو ساتھ رکھتے۔ چنانچہ وہ یہاں پر بھی اسے ساتھ لائے۔ معلوم ہوا کہ ڈیڑھ دوسال سے وہ اسی کام میں منہمک

ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اس کو دین سمجھ رہے ہونگے، حالانکہ یہ کھلی دنیا ہے، اسلئے کہ اس میں نفس کی آمیزش شامل ہے، آپ کو دوسروں کی تو فکر ہے، مگر اپنی فکر نہیں کہ نفسانیت سے دین تباہ ہورہا ہے۔ غرض میں نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور سارے کاغذات جلوا دیئے۔ ایسے ہی نفس پرستی کے اوراق کے بارے میں کہا گیا ہے۔

جملہ اوراق وکتب در نار کن   سینہ راز نورِ حق گلزار کن

مجھ سے تو نہیں کہا، مگر دوسروں سے کہا کہ جس وقت سے وہ ذخیرہ جلا ہے، قلب ہلکا اور صاف ہوگیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی اندھیری اور ظلمت سے روشنی میں آگیا۔ (صفحہ ۱۳۴)

(یہاں حکیم الامت نے طالبوں کی ایک اہم معاملہ میں حکیمانہ رہنمائی فرمائی ہے، وہ معاملہ یہ ہے کہ بعض اوقات، فریب نفس کی وجہ سے طالب، دین کے ایک جزوی مسئلہ کو یا دین کے حکمت عملی کے معاملہ کو بنیادی اور اہم معاملہ سمجھ کر، اس کو دوسروں پر تھوپنا چاہتا ہے، اور اس کی چاہت ہوتی ہے کہ یہ دین کا فیصلہ کن معاملہ ہے۔ دوسرے ہر صورت میں اسے اختیار کریں، اس پر یہ فکر مندی غالب ہوجاتی ہے۔ حالانکہ مبتدی ومتوسط طالبوں کو اس طرح کی چیزوں میں پڑنا ہی نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ وہ خود نفس پرستی کی شدید قوتوں کے زیر اثر ہیں اور وہ آئے دن نفس کے مکر وفریب کا شکار رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں مذہب کے نام پر جو گروہ بندی، تشدد، تقسیم در تقسیم اور ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری ہے، اس کے پس پردہ اصل سبب یہی کارفرما ہے کہ اصلاح نفس کی کمی کی وجہ سے فرد، دین کے نام پر دوسروں سے اپنی رائے کو ہرصورت میں منوانا چاہتا ہے۔ مرتب)

شریعت پر عمل کے بغیر
ذکر وشغل کا غیرمؤثر ہونا

فرمایا، ذکر وشغل سے اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اصلاح اعمال سے ہوتی ہے، اعمال سے قلب میں جو چیز پیدا ہوتی ہے، ذکر وشغل اس کا معین ہوتا ہے، مگر آجکل کے جاہل صوفیوں میں احکام کی پابندی یا اہتمام بالکل ہی ندارد۔ (صفحہ ۱۳۸)

(یہاں حکیم الامت نے روایتی پیروں کی طرف سے شریعت کو نظرانداز کرکے

محض ذکر وفکر پر زور دینے پر تنقید فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شریعت بنیاد ہے، ذکر وفکر اس بنیاد کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے۔ ذکر وفکر، فرد وافراد کی دینی حمیت اور دینی حس کو بیدار کرنے کا موجب ہے، البتہ شریعت، مزاج کا حصہ بن جائے، یہ ملکہ راسخ ہوجائے، اس کے لئے طویل عرصہ تک مستقل مزاجی سے ذکر وفکر کرتے رہنے اور شیخ کی صحبت اور ان سے رابطہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ مرتب)

نئے نئے روپ اختیار کرنا

فرمایا، آجکل درویشی امتیاز کا نام رہ گئی ہے، یعنی اُس میں ایسی عجیب بات ہو، جو دوسری کے ہاں نہ ہو، بہروپیوں اور دکانداروں کا روپ اختیار کیا ہوا ہے، نئی نئی باتیں اور نئی نئی صورتیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ (صفحہ۱۴۹)

حضورﷺ کے آئینہ میں اپنے
حالات کا نظر آجانا

فرمایا، جو شخص خواب میں حضورﷺ کو دیکھے، حضور ہی ہوتے ہیں، مگر اصل، وحالات کا اختلاف اسلئے ہوتا ہے کہ حضورﷺ آئینہ بھی ہیں۔ ایک شخص نے حضورﷺ کو خواب میں حُقہ پیتے دیکھا۔ میں نے کہا کہ تم نے اپنی حالت دیکھی حضورﷺ کے آئینہ میں۔ آپ کے آئینہ میں تم نے اپنی ہی حالت دیکھی۔ (۱۴۳)

حضورﷺ کی زیارت، خاتمہ ایمان کا سبب ہوگا

فرمایا، جس کو خواب میں حضورﷺ کی زیارت ہوجاتی ہے، اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ (صفحہ۱۴۳)

اہل اللہ کو نعمت سے زیادہ منعم سے تعلق ہونا

فرمایا، فرد اگر اپنی زندگی میں غور کرے تو جس طرح کرایہ پر رہنے والے کو کرایہ کی چیز پر ناز نہیں ہوتا، اسی طرح، وہ کسی چیز پر ناز نہیں کرسکتا، وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا میں میرا قیام عارضی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو یعنی تمہاری روزی کا ذریعہ کیا ہے، اُنہوں نے کہا کہ دنیا ہمارا گھر نہیں، ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور مہمان کا حق مہمانی تین روز ہوتا

ہے اور دن کی مقدار قرآن کی اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ہزار برس کا دن ہوتا ہے، پس اس حساب سے تین ہزار برس تک تو یہ سوال ہی نہیں ہوسکتا، اس کے بعد پھر سوال کرنا کہ کہاں سے کھاتے ہو۔

غرض ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ عطا ہے اور عطا پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہیئے، جب چاہیں نکال باہر کریں، پھر ناز کیسا، ہاں شکر کرو، اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے، اس لئے ان کے ہاں نعمت پر شکر ادائیگی زیادہ ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ نعمت سے ان کا جس قدر تعلق ہوتا ہے، اُس سے زیادہ منعم سے تعلق ہوتا ہے، ان کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے۔ نیز وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں، اسی لئے حاصل شدہ نعمت پر راضی رہتے ہیں، حاصل نہ ہونے والی نعمت پر ان کی نظر نہیں ہوتی، چنانچہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے شکایت کی کہ بہت زیادہ غربت ہے۔ فرمایا کہ میاں اگر دل میں اطمینان ہو۔ بدن میں کوئی مرض نہ ہو۔ ایک دن کا کھانا ہو، اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ اسی لئے اہل اللہ کی یہ شان ہے کہ اگر مل گیا تو شکر ادا کیا، نہ ملا تو اس کو بھی نعمت سمجھ کر صبر کرتے ہیں، ان پر عبدیت کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس وجہ سے وہ حاجت کی ہر چیز مانگتے ہیں، لیکن اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس پر راضی رہتے ہیں، کہ یہ بھی ہمارے لئے نعمت ہے۔ ایک بزرگ تھے، ان کے گھر میں سات کمرے تھے، ایک گرا، دوسرے میں جاکر بیٹھے، دوسرا گرا، تیسرے میں جاکر بیٹھے، اس ساتویں کمرے میں انتقال ہوگیا۔ بس دنیا سے ان حضرات کا یہی تعلق ہوتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سب ایسا کریں، بلکہ بتانا یہ ہے کہ اہل اللہ کا یہی رنگ ہے، اگر ایسا نہ کرسکو تو اُس کو پسند تو کرو۔ اہل اللہ کو اگر کسی نعمت کی طلب ہوتی ہے تو وہ بھی اس لئے، تاکہ قلب یکسو ہو، قلب میں پریشانی نہ ہو، تاکہ اطمینان کیساتھ کام میں لگیں (یعنی یکسو ہو کر ذکر وفکر کریں اور متوجہ الی اللہ ہوں) اسے لئے ان حضرات کے یہاں قلب کی یکسوئی کا بڑا اہتمام ہے۔ چنانچہ حضورﷺ، ازواج مطہرات کو سال کا سامان عطا فرمادیتے تھے، اگرچہ حضورﷺ کی یکسوئی کا انحصار اس پر نہیں تھا، مگر حضورﷺ نے اپنے مذاق

مبارک کے خلاف صرف ہماری رعایت کی وجہ سے ایسا کیا اور اپنے اس فعل کو جائز سے آگے بڑھا کر سنت بنادیا، تاکہ میری امت کو دنیا میں بھی دین کا ثواب ملے، کیونکہ اتباع سنت تو دین ہے۔ کیا انتہاء ہے، اس شفقت کی کہ ہم نالائقوں کی رعایت سے سال بھر کا خود انتظام فرمایا، جس سے مقصود یہ تھا کہ امت کو ایسا کرنے سے قلبی یکسوئی حاصل ہو۔ اور حضور ﷺ کے ہر فعل میں یہی شفقت ہے، کیا یہ شفقت نہیں کہ آپ ساری ساری رات کھڑے ہو کر اُمت کی سفارش کررہے ہیں، حتیٰ کہ قدم مبارک پر ورم بھی آ گیا۔ (صفحہ ۴۶۔۴۷)

نعمت کی تحقیر کا نہ ہونا

فرمایا، حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کو واقعہ میں دیکھا کہ آپ انہیں کچھ دے رہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں کہ لاکھوں روپے تمہارے ہاتھ پر صرف ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ میں اس کا متحمل نہیں، صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایسا ٹھکانہ مل جائے کہ وہاں سے کوئی اُٹھائے نہیں، غرض کہ آپ نے نعمت کی تحقیر نہیں فرمائی، بلکہ ایک نعمت کی خود درخواست کی، مگر طبعی کمزوری کی وجہ سے دوسری نعمت پر عذر فرمایا، پھر حضرت تھانویؒ نے اسی نعمت کی تحقیر نہ کرنے پر خود اپنا معمول بیان فرمایا کہ میری خود یہ حالت ہے کہ میں مال کو خدا کی نعمت سمجھ کر، اُس ہاتھ میں جوتہ نہیں لیتا، جس میں روپیہ ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ کسی کو نعمت کی تحقیر کا کیا حق حاصل ہے، نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے کمالات کے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے اور سارا طنطنہ اس وقت تک ہے، جب تک کہ اپنی نعمت سے نواز ہوا ہے۔ ورنہ ایمان کا سنبھلنا بھی مشکل تھا۔ (صفحہ ۱۴۷)

کسی کے معتقد ہونے سے تکلیف کا ہونا

فرمایا، کہ اس تکلیف کو برداشت کیجئے۔ عرض کیا کہ کیا اپنے کو بُرا بھلا کہا جائے، تاکہ کسی کو اعتقاد نہ ہو، فرمایا، اس سے اور زیادہ اعتقاد پیدا ہوگا۔ اور اگر تکلیف بھی ہوتی ہے تو آخر کس کس تکلیف سے بچیئے گا۔ سر میں درد ہوتا ہے، اُس کو دفع نہیں کرسکتے۔ بخار ہوجاتا ہے، اُس کو دفع نہیں کرسکتے۔ اسی طرح اس کو بھی درد

سر اور بخار سمجھئے۔ (صفحہ ۱۰۲)

کچھ کفران نعمت کی تشریح

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی چیز کے لینے یا کھانے سے عذر کردینا، یہ کفران نعمت تو اس وقت ہے، جبکہ ضرورت ہو اور ضرورت کے باوجود ایسا کیا جائے اور اگر ضرورت نہیں، جیسا ایک شخص سے ملنے گئے اور اُس نے دودھ کی سوئیوں کا پیالہ رکھ دیا اور طلب ہے نہیں تو کیا کھانے سے عذر کردینا، کفران ہوگا۔ کفران ایسا ستا نہیں کہ چمٹتا پھرے، سارے معاملات میں بڑا معیار تو شریعت ہے، اگر فتوے سے عذر کی اجازت ہے تو پھر کفران کہاں، کیونکہ کفران کی تو اجازت شریعت میں نہیں، سو جو کفران کی فرو ہوگی، اُس میں شریعت کی ممانعت بھی ہوگی اور یہاں ممانعت ہے نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کفران بھی نہیں، پس مسلمانوں کیلئے تو بڑا اچھا معیار شریعت ہے، مگر فتوئی ایسی چیزوں میں اسی شخص کی معتبر ہے، جو جامع شریعت وطریقت ہو، اس لئے کہ اہل ظاہر بلاضرورت کہیں جائز کہہ دیتے ہیں، کہیں ناجائز۔ (صفحہ ۱۵۵ حصہ ہفتم)

معاملات کے سارے پہلوؤں کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا، کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل ہے، زبان ہی تو ہلانا پڑتی ہے۔ تحقیق کا درجہ مشکل ہے۔ اس لئے محقق پر سیکڑوں اعتراض ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی نظر ہر طرف ہوتی ہے اور غیر محقق کی نظر صرف ایک پہلو پر ہوتی ہے۔ معاملات کے سارے پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ظاہر ہے مشکل ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں لفظ زندیق کی لغوی وفقہی تحقیق ہورہی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک عالم نے کہا کہ زندیق ایسے فرد کو کہتے ہوں گے، جیسے محی الدین ابن عربی۔ یہ بزرگ خاموش رہے اور کچھ نہیں بولے۔ پھر خاص مجلس میں ایک صاحب نے ان بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت آج کل قطب کون ہیں، فرمایا، محی الدین ابن عربی، عرض کیا گیا، حضرت اُس مجلس میں اُن کو زندیق کہا گیا اور حضرت کچھ نہیں بولے۔ فرمایا کہ وہ علماء مجلس تھی، وہاں رد کرنے سے شرع کا

تعارف

دور جدید میں اسلام اور ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنج کے حوالے سے پیدا ہونے والے مسائل کے فہم، مادہ پرست عالمی تہذیب کی نظریاتی بنیادوں پر قرآن کی روشنی میں تنقید، نظریہ جنس، نظریہ جبلت، نظریہ احساس برتری، نظریہ معاش، نظریہ جمہور و سیکولرزم کے سلسلے میں اسلام کے صحیح موقف، دجالی تہذیب کے خدوخال اور قرآن و سنت کی عصری تقاضوں کے تحت سلف صالحین کے فکر اسلامی کی روشنی میں تشریح کے موضوعات پر ہماری کتابیں علماء و طلباء اور جدید تعلیم یافتہ طبقات دونوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔

سندھ نیشنل اکیڈمی (ٹرسٹ)

400-B لطیف آباد نمبر 4 حیدرآباد۔

SALAM PRINTERS HYD. 0333-3222430